وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

ملنے کا پتہ

کمپنی تاجران کتب نظام شاہی روڈ

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

رحمتِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کیلئے

ناشر

[illegible] اینڈ کمپنی تاجرانِ کتب [illegible]

حیدرآباد دکن

[illegible] پریس [illegible] ۱۹[illegible]ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ پیارا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس وجودِ پاک کے سوانح کا ایک ایک حرف ہر مسلمان کے کان تک پہنچ جائے تاکہ یہ رشتۂ وحدت مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اس کی [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام [illegible] پہنچایا جا[illegible] ایک [illegible] دوستوں کا اصرار تھا [illegible] اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لئے [illegible] سادہ الفاظ اور پھر اس میں [illegible] اہم بات چھوٹنے نہ پائے۔

دوستوں کی اسی فرمائش کی خاطر میں نے [illegible] سیرت لکھنے کی سعادت حاصل کی [illegible] فائدہ اٹھا سکیں [illegible]

کتاب [illegible] اسلامی [illegible] کے [illegible] کی [illegible] اسلامی [illegible] کے لئے بھی اس کا [illegible]

امید ہے کہ یہ دوسرے اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں بھی رواج پائے اور مذہبی تعلیم کی ایک بڑی کمی پوری ہو۔

سید سلیمان ندوی

۲۰ رجب ۱۳۵۹ھ

شبلی منزل، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

کتاب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو قدر ہوئی وہ مصنف کی توقع سے زیادہ ہے، الحمد للہ علیٰ ذالک، پانچ ہزار کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور ہندی، گجراتی اور بنگالی میں اس کا ترجمہ بھی ہوا، ملک سے باہر افریقہ اور برما کے مختلف اسلامی مدرسوں [illegible] میں وہ داخلِ نصاب ہوئی اور اس کی فرمائش [illegible] دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سلسلۂ تعلیم میں شامل کیا گیا۔

اب نیا ایڈیشن [illegible] کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے، آخر میں اخلاق کا حصہ کچھ اور بڑھا دیا گیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے ہمارے بچوں کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی پیروی کا خیال پیدا ہو۔

خاکسار

[illegible]

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ [illegible]

فہرست مضامین

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ملک عرب ،	۱	پیدائش	۹
حجاز	۲	بی بی آمنہ کے پاس ،	۱۰
خدا کے قاصد ،	۳	بی بی آمنہ کی وفات ،	؍
پیغمبروں کا سلسلہ	۴	عبدالمطلب کی پرورش میں	؍
ابراہیمؑ کی نسل ،	؍	عبدالمطلب کی وفات ،	۱۱
کعبہ ،	۵	ابوطالب کی پرورش میں	؍
اسماعیلؑ کا گھرانا ،	۶	فجار کی لڑائی میں شرکت	۱۳
قریش ،	۷	مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ ،	؍
ہاشم ،	؍	کعبہ کی تعمیر	۱۴
ـب ،	۸	سوداگری کا کام ،	۱۵
ـکی اولاد ،	؍	تجارتی سفر ،	۱۷
	؍	حضرت خدیجہؓ کی شرکت ،	؍
	۹	بی بی خدیجہؓ سے نکاح ،	۱۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شرک اور برائی کی باتوں سے بچنا	۱۹	غریب مسلمانوں کا ستایا جانا،	۴۱
رسول ہوتے ہیں،		حضرت بلالؓ،	۴۲
(دو)	۲۳	حضرت صہیبؓ،	″
اسلام،	۲۶	حضرت خبابؓ،	″
توحید،	″	حضرت یاسرؓ،	″
فرشتے،	۲۷	حبش کی ہجرت،	۴۴
رسول،	″	ابوطالب کی گھاٹی میں نظربندی	۴۵
کتاب،	″	ابوطالب اور بی بی خدیجہؓ کی وفات	۴۶
مرنے کے بعد پھر جینا،	″	آپ پر مصیبتیں،	۴۷
ایمان۔	۲۸	طائف کا سفر،	۴۸
پہلے مسلمان ہونے والے،	″	قبیلوں کا دورہ،	۴۹
پہلی عام منادی،	۳۱	اوس اور خزرج میں اسلام	
عام تبلیغ	۳۴	عقبہ کی بیعت،	۵۰
حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہونا،	۳۶	ہجرت	
حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا،	″	مدینہ منورہ	
حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلمان ہونا	۳۹	پہلی مسجد	
پہلا جمعہ	۵۶	حضرت فاطمہ زہراؓ کا نکاح،	

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مدینہ میں داخلہ	۵۴	روزہ	۷۷
انصار	۵۷	عید	؍
مسجد نبوی اور حجروں کی تعمیر	۵۸	احد کی لڑائی	۷۸
صفہ والے	۵۹	یہودی خطرہ کا مقابلہ	۸۸
نماز کی تکمیل اور قبلہ	؍	بنی قینقاع سے لڑائی	۹۲
قبلہ	۶۰	[illegible]	۹۳
بھائی چارہ	۶۱	ابن ابی الحقیق کا خاندان	۹۵
یہود کا قول و قرار	؍	بنی نضیر کی جلا وطنی ۴ ھ	۹۶
مکہ والوں کی شرارتیں اور سازشیں	۶۳	خندق یا احزاب کی لڑائی	۹۹
مسلمانوں کے تین دشمن	۶۴	بنی قریظہ کی غداری	۱۰۲
منافقوں سے برتاؤ	؍	اسلام اور مسلمانوں کی مصیبتیں	۱۰۳
مکہ والوں کی روک تھام	۶۶	اسلام کے ساتھ دغا بازی	۱۰۴
لڑائی	۶۸	صلح حدیبیہ ۶ ھ	۱۰۷
[illegible]	۷۳	اسلام کی تبلیغ	۱۱۰
نظام	۷۴	دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت	۱۱۱
قیصر روم کا مکالمہ	۱۱۲	[illegible]	۱۵۱
		شام	۱۱۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عمرہ (سنہ ۷ھ)	۱۲۳	دین کی تکمیل اور اسلامی نظام کی تاسیس	۱۵۱
موتہ کی لڑائی (سنہ ۸ھ)	۱۲۵	نماز	۱۵۳
مکہ کی فتح	۱۲۶	جمعہ	۱۵۵
ہوازن اور ثقیف کا معرکہ	۱۲۸	زکوٰۃ	۱۵۷
مال غنیمت کی تقسیم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر	۱۳۷	روزہ	۱۵۸
		حج	۱۵۹
تبوک کی لڑائی	۱۴۰	حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ھ)	۱۶۲
عہد اسلام کا پہلا باقاعدہ حج اور	۱۴۴	وفات	۱۷۳
براءت کا اعلان		ازواج	۱۸۱
عرب کے صوبوں میں اسلام کی	۱۴۶	اولاد	۱۸۲
عام منادی		اخلاق و عادات	۱۸۳
بحرین		خاتمہ	۲۰۰

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرب کا ملک، ہمارے ملک کے پچھم طرف سمندر بہتا ہے، اس سمندر کے ایک کنارہ پہ ہندوستان اور دوسرے کنارہ پہ عرب کا ملک ہے، اس ملک عرب کا بڑا حصہ ریت اور پہاڑ ہے، بیچ کا حصہ تو بالکل بنجر اور غیر آباد ہے، صرف اُس کے کناروں پہ کچھ سرسبزی اور شادابی ہے، اور انہی میں اس ملک کے بسنے والے رہتے ہیں،

اس کے ایک طرف بحر ہند[1] (ہندوستان کا سمندر) دوسری طرف خلیج ایران (ایران کی کھاڑی) تیسری طرف بحر احمر (لال سمندر) ہے، اور چوتھی طرف خشکی میں یہ عراق اور شام کے ملکوں سے ملا ہوا ہے، اسی لئے اس کے ملک کو جزیرہ نما اور جزیرہ (ٹاپو) بھی کہتے ہیں، جو حصہ بحر احمر کے کنارے لمبائی میں شام کی سرحد سے شروع ہو کر یمن کے صوبہ پر ہے، حجاز کہلاتا ہے، یمن کا صوبہ بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز کے

---

[1] بحر سمندر کو کہتے ہیں،

عدن کی کھاڑی تک پھیلا ہے، اور یہ عرب کا سب سے ہرا بھرا اور
صوبہ ہے، اسی کے قریب عدن کی کھاڑی کے کنارہ پر حضرموت
اور عمان کے دریا کے عربی کنارے پر عمان اور ایران کی کھاڑی کے کنارے پر
اور اس سے ملا ہوا یمامہ ہے، اور بیچ میں سے عراق تک کا حصہ نجد کہلاتا
حجاز اوپر بڑھ چلے کر بحر احمر کے کنارے کنارے شام کی سرحد
یمن تک جو حصہ ہے اس کو حجاز کہتے ہیں، حجاز میں تین شہر مشہور تھے
اب بھی ہیں، ایک مکہ، دوسرا طائف اور تیسرا یثرب، ہمارے پیغمبر
علیہ الصلوٰۃ والسلام (ان پر درود و سلام ہو) کو انہی تین شہروں سے تعلق ر
خدا کے قاصد تم روز دیکھتے ہو کہ ایک شخص مطلب کی کوئی
جس کو پیغام کہتے ہیں، دور کسی دوسرے کے پاس بھیجتا ہے، تو وہ اپنی بات
اپنے کسی معتبر آدمی سے کہدیتا ہے، اور وہ آدمی اس بات کو سُن کر دو
شخص کو سُنا آتا ہے، اس معتبر آدمی کو ہم قاصد اور پیغام لے جانے و
اور فارسی میں پیغامبر یا پیغمبر اور عربی میں رسول کہتے ہیں،
ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے بندوں
مطلب کی بات اور پیغام سے خبر دے تو اس نے
اپنے کسی چہیتے اور پیارے بندہ کو اس کام کے
نام خدا کا قاصد، خدا کا پیغام پہونچانے والا، اور

اسی کو نبیؑ اور رسولؑ کہتے ہیں، خدا کے ان قاصدوں اور رسولوں
یہ ہے کہ وہ خدا کی باتوں کو بندوں تک پہنچاتے ہیں، اور ان
تے ہیں کہ تمہارا خدا تم سے کیا چاہتا ہے، اور کن باتوں کے
کا تم کو حکم دیتا ہے، اور کن باتوں کو وہ ناپسند کرتا ہے، جو
ے اس کا کہا مانتے ہیں، ان سے اللہ خوش، اور جو نہیں مانتے
سے وہ ناراض ہوتا ہے،

پیغمبروں کا سلسلہ تمہارے خدا نے جب یہ دنیا بنائی،
اس میں آدمیوں کو بسانا چاہا، تو سب سے پہلے جس آدمی کو
قدرت سے پیدا کیا اس کا نام آدمؑ رکھا، انہی آدمؑ سے یہ سارے
ا پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں، انہی حضرت آدمؑ کے وقت سے
نے اپنے بندوں کو اچھی باتیں سکھانے اور بری باتوں سے
کنے کے لئے اپنے قاصدوں اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی دنیا میں
ی کیا، جو ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک
ی رہا، اور اب آپؐ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہ آیا ہے، اور
امت تک آئے گا،

ابراہیمؑ کی نسل آدمؑ کی اولاد میں مشہور پیغمبر حضرت نوحؑ
ے، نوحؑ کی اولاد میں حضرت ابراہیمؑ سب سے بڑے پیغمبر ہوئے

یہ عراق کے ملک میں پیدا ہوئے، اور وہیں بڑھے اور جوان ہوئے
اس وقت عراق کے لوگ، چاند، سورج اور ستاروں کی پوجا کرتے
تھے، حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ دیکھا تو دل میں غور کیا کہ کیا یہ ستارے
خدا ہو سکتے ہیں؟ لیکن جیسے ہی رات ختم ہو کر صبح کا تڑکا ہونے لگا،
ستارے جھلملانے لگے، اور جب سورج نکلا تو وہ بالکل نگاہوں سے
اوجھل ہو گئے، یہ دیکھ کر وہ پکار اٹھے کہ ایسی فانی ہستیوں سے تو
میں دل نہیں لگاتا، پھر رات آئی اور چاند پر نظر پڑی تو خیال کیا کہ
شاید اس کی روشنی میں خدائی کا جلوہ ہو۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب
گیا تو بول اٹھے کہ میرے پروردگار نے اگر مجھے راہ نہ دکھائی تو
مجھے سچائی کا راستہ کبھی نہ مل سکے گا، اب خیال ہوا کہ اچھا سورج
کی روشنی تو سب سے بڑھ کر ہے، کیا یہ ہمارا دیوتا نہیں ہو سکتا،
لیکن شام کی تاریکی نے اس بڑی روشنی کو بھی جب چھپا دیا تب
ان کے دل سے آواز آئی کہ میرے پروردگار کا نور تو وہ نور ہے
جس کو اندھیرا نہیں، میں اسی خدا کو مانتا ہوں جس نے آسمان اور زمین
اور ان کے ان جلوؤں کو پیدا کیا، پھر لوگوں سے پکار کر کہا کہ میں
تمہارے مشرکانہ دین کو چھوڑتا ہوں، اور ہر طرف سے مڑ کر اس
ایک خدائے برحق کے آگے سر جھکاتا ہوں، خدا نے ان کو پیغمبر بنایا کہ

اور آسمان وزمین کی حقیقتوں کے دفتر اُن کے سامنے کھول دیئے، اور دنیا میں توحید کا پیغام سنانے کے لئے ان کو مامور کیا، انھوں نے عراق کے بادشاہ نمرود اور اس کے درباریوں کو یہ پیغام سنایا، ان کے کانوں میں یہ بالکل نئی آواز تھی، انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ڈرایا، دھمکایا، مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے، اور ایک دن موقع پاکر ان کے بت خانہ میں جاکر ان کی پتھر کی مورتیوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، یہ دیکھ کر بادشاہ نے ان کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ وہ آگ کے الاؤ میں ڈال کر جلا دئے جائیں، یہ امتحان کا موقع تھا، مگر ان کی ثابت قدمی کا وہی حال رہا، اِدھر ان کا آگ میں پڑنا تھا، کہ آگ بجھ کر ان کی جان کی سلامتی کا سامان بن گئی، اب حضرت ابراہیمؑ نے یہاں سے شام مصر کے ملکوں کی طرف رخ کیا، اور وہاں کے بادشاہوں کو توحید (خدا کو ایک ماننا اور کہنا) کا وعظ سنایا، اور جب کہیں یہ آواز سنی گئی تو عرب کے صوبۂ حجاز میں چلے آئے،

اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو دو بیٹے دیئے، بڑے کا نام اسمٰعیلؑ اور چھوٹے کا نام اسحاقؑ رکھا، اسحاقؑ کو شام کے ملک میں اور اسمٰعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا،

کعبہ حجاز کا ملک ان دنوں آباد نہ تھا، مگر شام اور یمن کے

ملک بہت آباد تھے، شام سے یمن کو اور یمن سے شام کو جو بیوپاری
اور سوداگر آتے جاتے وہ حجاز ہی کے راستے سے آتے جاتے تھے،
اس لئے حجاز میں آنے جانے والے سوداگروں کا تانتا لگا رہتا تھا،
حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کا حکم ہوا، کہ اسی حجاز کی زمین میں ایک مقام
پر ہماری عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے ایک گھر بناؤ، حضرت
اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ نے مل کر خدا کے اس گھر کو بنا کر کھڑا کیا، اس
گھر کا نام کعبہ اور بیت اللہ یعنی خدا کا گھر رکھا گیا،

اسماعیلؑ کا گھرانا خدا نے اپنے اس گھر کو بزرگی بخشی، اور
حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اس گھر کی خدمت کے لئے اپنے لڑکے اسماعیلؑ
کو اس مقام پر آباد کرو، حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا، حضرت
اسماعیلؑ کی اولاد بھی یہیں رہنے لگی، اور اس مقام کا نام "مکہ" رکھا،

حضرت اسماعیلؑ کا گھرانا اس شہر میں جس کا نام مکہ پڑا تھا،
آباد رہا، اور خدا کا پیغام بندوں کو سناتا، اور کعبہ میں خدا ہی کی
عبادت کرتا رہا، سینکڑوں برس گذرنے کے بعد یہ لوگ دوسری
قوموں کی دیکھا دیکھی اکیلے خدا کو چھوڑ کر مٹی اور پتھر کی عجیب عجیب
شکلیں بنانے اور کہنے لگے کہ یہی ہمارے خدا ہیں، مٹی اور پتھر کی
ان عجیب عجیب شکلوں کو وہ خدا سمجھ کر پوجتے تھے، ان کو بت

کہتے تھے، بتوں کو خدا سمجھنا اور ان کو پوجنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا کام ہے، اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں، ان کو کافر کہتے ہیں،

قریش اتنے دنوں میں اسماعیلؑ کے گھرانے کے آدمی بہت سے خاندانوں اور قبیلوں میں بٹ گئے تھے، ان میں ایک مشہور قبیلہ کا نام "قریش" تھا، یہ خاص مکہ میں آباد اور کعبہ کا متولی (انتظام کرنے والا) تھا، دور دور سے کعبہ کے حج کے لئے جو لوگ آتے، جن کو حاجی کہتے ہیں ان کو ٹھہرانا، کھانا کھلانا، پانی پلانا، اور کعبہ شریف کے دوسرے کاموں کی دیکھ بھال، اسی قبیلہ کے ہاتھوں میں تھی، اسی لئے یہ قبیلہ سارے عرب میں عزت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا، اسی قبیلہ کے اکثر آدمی تجارت اور سوداگری کا پیشہ کرتے تھے،

بنی ہاشم قریش کے قبیلہ میں بھی کئی بڑے بڑے خاندان تھے ان میں سے ایک بنی ہاشم تھے، یہ ہاشم کی اولاد تھے، ہاشم اس خاندان کے بڑے نامی گرامی شخص تھے، حاجیوں کو دل کھول کر کھانا کھلاتے تھے اور پینے کے لئے چمڑے کے حوضوں میں پانی بھروا تے تھے، یہ ایک طرح سے مکہ کے امیر تھے، قریش کے لئے جو زیادہ تر تجارت اور بیوپار سے روزی کماتے تھے، انھوں نے یہ کیا کہ حبش کے بادشاہ نجاشی، اور مصر اور

ہ کے بادشاہ قیصر سے فرمان لکھوایا کہ ان کے ملکوں میں قریش کے
، اگر بے روک ٹوک آجاسکیں، پھر عرب کے مختلف قبیلوں میں پھر
کر ان سے یہ عہد لیا کہ وہ قریش کے سوداگروں کے قافلہ کو
ں لوٹیں گے، اور قریش کے سوداگر اس کے بدلہ میں یہ کریں گے
ر قبیلہ کی ضرورت کی چیزیں لے کر خود اس کے پاس جائیں گے،

عبدالمطلب ہاشم نے اپنی شادی یثرب کے شہر میں
نجار کے خاندان میں کی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا اصلی
م تو شیبہ تھا، مگر شہرت عبدالمطلب کے نام سے ہوئی،

عبدالمطلب نے بھی جوان ہوکر بڑا نام پیدا کیا، کعبہ کا انتظام
، ان کو سپرد ہوا، کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کا ایک کنواں
، جس کا نام "زمزم" تھا، یہ کنواں اتنے دنوں سے پڑا پڑا پٹ گیا تھا
بدالمطلب نے اس کو صاف کرکے پھر درست کرایا،

عبدالمطلب کی اولاد عبدالمطلب بڑے خوش نصیب تھے
بھی بڑی پائی، دس جوان بیٹے تھے، ان میں پانچ کسی نہ کسی حیثیت سے
ت مشہور ہوئے، ابولہب، ابوطالب، عبداللہ، حمزہؓ، عباسؓ

عبداللہ ان بیٹوں میں اپنے باپ کے سب سے چہیتے اور
رے عمر میں سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ تھے، یہ سترہ برس کے ہوئے

تو بنی زہرہ نام قریش کے ایک دوسرے معزز خاندان کی لڑکی سے ان کی شادی ہوئی، ان بی بی کا نام آمنہ تھا، عبداللہ شادی کے بعد بہت کم جئے، چند ہی روز کے بعد وفات پا گئے،

ولادت عبداللہ کے مرنے کے چند مہینوں کے بعد بی بی آمنہ کے بچہ پیدا ہوا، جس کا نام محمدؐ رکھا گیا یہی وہ بچہ ہے جو ہمارا رسولؐ اور پیغمبرؐ ہے، جس کے پیدا ہونے کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مانگی تھی، اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد اس کے آنے کی خوشخبری سب کو سنائی تھی، اور جو ساری دنیا کی قوموں کا رسول بننے والا تھا،

پیدائش ۱۲ تاریخ کو ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو اکہتر برس بعد ہوئی، سب گھر والوں کو اس بچہ کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی،

پرورش سب سے پہلے ہمارے رسولؐ کو ان کی ماں آمنہ نے دودھ پلایا، دو تین دن کے بعد ان کے چچا ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ نے آپؐ کو دودھ پلایا،

اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ عرب کے شریف گھرانوں کے بچے دیہات میں پرورش پاتے تھے، دیہات سے عورتیں آتیں، اور شریفوں کے بچوں کو پالنے اور دودھ پلانے کے لئے اپنے ساتھ اپنے

گھروں کو لے جاتیں، انہی عورتوں میں سے ایک جن کا نام حلیمہ تھا، اور جو ہوازن کے قبیلہ اور سعد کے خاندان سے تھیں، مکہ آئیں، اور آپؐ کو پرورش کے لئے اپنے قبیلہ میں لے گئیں، چھ برس کے سن تک آپؐ حضرت حلیمہ کے پاس ہوازن کے قبیلہ میں پرورش پاتے رہے،

بی بی آمنہ کے پاس آپؐ چھ برس کے ہو چکے تو آپؐ کو آپؐ کی ماں بی بی آمنہ نے اپنے پاس رکھ لیا، اوپر پڑھ آئے ہو کہ آپؐ کی پردادی یثرب کی رہنے والی اور نجار کے خاندان سے تھیں، بی بی آمنہ آپؐ کو لے کر کسی سبب سے مدینہ آئیں، اور نجار کے خاندان میں ایک مہینہ تک رہیں،

بی بی آمنہ کی وفات ایک مہینہ کے بعد جب یہاں سے واپس ہوئیں تو کچھ منزل چل کر بیمار ہوئیں، اور "ابوا" کے مقام پر پہنچ کر وفات پاگئیں، اور یہیں دفن ہوئیں،

کیسا افسوس ناک موقع تھا، سفر کی حالت، ساتھ نہ کوئی یار نہ مددگار، نہ مونس نہ غم گسار، ایک ماں، وہ اس دنیا سے سدھاریں، بی بی آمنہ کے ساتھ ان کی وفادار لونڈی اُمّ ایمن تھیں، وہ حضرتؐ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آئیں،

عبدالمطلب کی پرورش میں اور مکہ آکر آپؐ کو آپؐ کے

دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا، دادا نے اپنے بن ماں باپ کے یتیم پوتے کو سینہ سے لگایا، اور بڑی محبت اور پیار سے آپؐ کی پرورش شروع کی، محبت کے مارے ہمیشہ وہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ہر طرح سے آپؐ کی خاطر کرتے تھے،

عبدالمطلب کی وفات عبدالمطلب اب بہت بوڑھے ہو چکے تھے، بیاسی[۸۲] برس کی عمر تھی، ان کو رہ رہ کر اپنے یتیم پوتے کا خیال آتا تھا، آخر اس کو اپنے سب سے ہونہار بیٹے ابوطالب کے سپرد کر کے وفات پائی، اور مکہ کے قبرستان میں جس کا نام حجون ہے، دفن ہوئے

ابوطالب کی پرورش میں چچا نے اپنے بھتیجے کو بڑے لاڈ اور پیار سے پالا، اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام کا خیال کرتے، اور ان کا ناز اٹھاتے، ابوطالب سوداگر تھے، ایک بار کا واقعہ ہے کہ وہ تجارت کا سامان لے کر شام کے ملک کو جا رہے تھے حضرت نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی، چچا اکلوتے بھتیجے کی خواہش کو رد نہ کر سکے، اور ساتھ لے چلے، پھر کسی وجہ سے راستہ ہی سے واپس کر دیا، جب آپؐ کی عمر بارہ برس کی ہوئی، تو عرب بچوں کے دستور کے مطابق بکریاں چرانے لگے،

عرب میں اس وقت لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اس لئے

آپؐ کو بھی لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی گئی، البتہ اپنے چچا کے ساتھ مل کر کاموں کا تجربہ سیکھتے تھے، رفتہ رفتہ آپؐ جوانی کی عمر کو پہنچے،

فجار کی لڑائی میں شرکت عرب کے لوگ بڑے لڑاکے تھے، بات بات میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، اگر کہیں کسی طرف سے کوئی آدمی مارا گیا، تو جب تک اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے، چین سے نہیں بیٹھتے تھے، ایک دفعہ "بکر" اور "تغلب" عرب کے دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقع پر لڑائی ہوئی تو وہ لڑائی پورے چالیس برس تک ہوتی رہی،

اسی قسم کی ایک لڑائی کا نام فجار ہے، یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی، قریش کے سب خاندانوں نے اپنی اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی، ہر خاندان کا دستہ الگ الگ تھا، ہاشم کے خاندان کا جھنڈا عبدالمطلب کے ایک بیٹے زُبَیر کے ہاتھ میں تھا، اسی صف میں ہمارے پیغمبرؐ بھی تھے، آپ بڑے رحم دل تھے، لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپؐ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا،

مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ ان لڑائیوں کے سبب سے ملک میں بڑی بے چینی تھی، کسی کو چین سے بیٹھنا نصیب ہوتا تھا، نہ کسی کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کی خیر نظر آتی تھی، ان

لڑائیوں میں لوگ بہت مارے جاتے تھے، اس لئے خاندانوں میں بہت سے یتیم بچے بہت تھے، ان کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا، ظالم لوگ ان کو ستاتے تھے، اور زبردستی ان کا مال کھا جاتے تھے، خاندانوں میں جو کمزور ہوتا، اس کا کہیں ٹھکانا نہ تھا، غریبوں پر ہر طرح کا ظلم ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ دیکھ کر آپؐ کا دل دکھتا تھا، اور سوچتے تھے کہ اس زور ظلم کو کیسے روکیں کہ سب لوگ خوش خوش امن و امان سے رہیں،

عرب کے چند نیک مزاج لوگوں کو پہلے بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اس کے لئے چند قبیلے مل کر آپس میں یہ عہد کریں کہ وہ سب مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، اس تجویز کے جو پہلے بانی تھے، ان کے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا، جس کے معنی بھی مہربانی کے ہیں، اس لئے ان کے آپس کے اس عہد کا نام "فضل والوں کا قول و قرار رکھا گیا" اور اس کو عربی میں "حلف الفضول" کہتے ہیں،

فجار کی لڑائی جب ہو چکی تو آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس قول و قرار کو جو پہلے کیا جا چکا تھا، اور جس کو لوگوں نے بھلا دیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے، اس کے لئے ہاشم، زہرہ اور تیم کے خاندان، مکہ کے ایک نیک مزاج امیر آدمی کے گھر میں جس کا نام عبداللہ بن جدعان تھا، جمع ہوئے، اور سب نے مل کر

عہد کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور اب مکہ میں کوئی ظالم رہنے نہیں پائے گا، اس معاہدہ میں ہمارے رسولؐ بھی شریک تھے، اور بعد کو فرمایا کرتے تھے کہ "میں آج بھی اس معاہدہ پر عمل کرنے کو تیار ہوں"۔

کعبہ کی تعمیر مکہ کا شہر ایسی جگہ بسا ہے، جس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں، انھی کے بیچ میں کعبہ بنا ہے، جب زور کا مینہ برستا ہے پہاڑیوں سے پانی بہہ کر شہر کی گلیوں میں بھر جاتا، اور گھروں میں گھس جاتا ہے، کعبہ کی دیواریں نیچی تھیں، اور اس پر چھت بھی نہ تھی، اس لئے بہت دفعہ ایسا ہوا کہ سیلاب سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچ جاتا، یہ دیکھ کر مکہ والوں کی رائے ہوئی، کہ کعبہ کی عمارت پھر سے اونچی اور مضبوط کرکے بنائی جائے، اتفاق یہ کہ مکہ کے بندرگاہ پر جس کا نام جدہ تھا، سوداگروں کا ایک جہاز آکر ٹوٹ گیا تھا، قریش کو خبر لگی تو ایک آدمی کو بھیج کر جہاز کے تختے مول لے لئے،

اب قریش کے سب خاندانوں نے مل کر کعبہ کے بنانے کا کام شروع کیا، کعبہ کی پرانی دیوار میں ایک کالا سا پتھر لگا تھا، اور اب بھی لگا ہے، اس کو اب بھی "کالا پتھر" ہی کہتے ہیں، اسی کا نام عربی میں "حجرِ اسود" ہے، یہ پتھر عرب کے لوگوں میں بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا

اور اسلام میں بھی اس کو متبرک مانا جاتا ہے، خانۂ کعبہ کے چاروں طرف پھیرا کرتے وقت ہر پھیرا اسی کے پاس سے شروع کیا جاتا ہے،

جب قریش نے اس دفعہ دیوار کو وہاں تک اونچا کر لیا، جہاں یہ پتھر لگا تھا، تو ہر خاندان نے یہی چاہا کہ اس مقدس پتھر کو ہم ہی اکیلے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں، جب جھگڑا کسی طرح طے نہ ہوا تو قریش کے ایک سب سے بوڑھے آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے، اور اس کا جو فیصلہ ہو اس کو سب لوگ دل سے مان لیں، سب نے اس رائے کو پسند کیا، اب اللہ کا کرنا دیکھو کہ صبح سویرے جو سب سے پہلے پہنچا وہ ہمارے رسولؐ تھے، آپؐ کو دیکھ کر سب خوش ہو گئے، آپؐ نے یہ کیا کہ ایک چادر منگوا کر اس میں پتھر کو رکھا، اور ہر قبیلہ کے سردار کو کہا کہ وہ اس چادر کے ایک ایک کونے کو تھام لیں، اور اوپر کو اٹھا لیں، جب پتھر چادر سمیت اپنی جگہ پر آ گیا، تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا، اور اس طرح عرب کی یہ ایک بڑی لڑائی ہمارے رسولؐ کی تدبیر سے رک گئی،

سوداگری کا کام۔ قریش کے شریفوں کا سب سے باعزت پیشہ

پیشہ سوداگری اور تجارت تھا، جب ہمارے رسول کاروبار سنبھالنے کے لائق ہوئے تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا ......

...... آپؐ کی نیکی، سچائی اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی اس لئے اس پیشہ میں کامیابی کی راہ آپؐ کے لئے بہت جلد کھل گئی، ہر معاملہ میں سچا وعدہ فرماتے، اور جو وعدہ فرماتے اس کو پورا ہی کرتے، آپؐ کی تجارت کے ایک ساتھی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک بار میں نے آپؐ سے اس زمانہ میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا، بات کچھ طے ہو چکی تھی، کچھ ادھوری رہ گئی تھی، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آکر بات پوری کر لیتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا، تین دن کے بعد مجھے اپنا یہ وعدہ یاد آیا، دوڑ کر آیا تو دیکھا کہ آپ اسی جگہ بیٹھے میرے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، اور جب آیا تو آپؐ کی پیشانی پہ میری اس حرکت سے بل تک نہیں آیا، نرمی کے ساتھ اتنا ہی فرمایا، کہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی، تین دن سے یہیں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں

تجارت کے کاروبار میں آپ اپنا معاملہ ہمیشہ صاف رکھتے تھے، سائبؓ نام آپؐ کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپؐ پہ قربان، آپؐ میری تجارت میں شریک تھے، مگر ہمیشہ معاملہ صاف رکھا نہ کبھی جھگڑا کرتے، نہ لیپ پوت کرتے، آپؐ کے کاروبار کے

ایک اور ساتھی کا نام ابوبکرؓ تھا، وہ بھی مکہ ہی میں قریش کے ایک سوداگر تھے، وہ کبھی کبھی سفر میں آپؐ کے ساتھ رہتے تھے،

قریش کے لوگ ہمارے حضرتؐ کی خوش معاملگی، دیانت داری اور ایمان داری پر اتنا بھروسا کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایہ آپؐ کے سپرد کر دیتے تھے، بہت سے لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے، اور آپؐ کو امین یعنی امانت والا کہتے تھے،

تجارتی سفر قریش کے سوداگر اکثر شام اور یمن کے ملکوں میں سفر کر کے تجارت کا مال بیچا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت کا سامان لے کر انہی ملکوں کا سفر کیا،

حضرت خدیجہؓ کی شرکت عرب میں تجارت کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ امیر لوگ جن کے پاس دولت ہوتی تھی، وہ روپیہ دیتے تھے، اور دوسرے محنتی لوگ جن کو تجارت کا سلیقہ ہوتا تھا، اس روپیہ کو لے کر تجارت میں لگاتے تھے، اور اس سے جو فائدہ ہوتا تھا، اس کو دونوں آپس میں بانٹ لیتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طریقہ پر تجارت کا کام شروع کیا تھا،

قریش میں خدیجہ نام کی ایک دولتمند بی بی تھیں، ان کے پہلے شوہر مر گئے تھے، اور اب وہ بیوہ تھیں، وہ اپنا سامان دوسروں کو

دے کر ادھر اودھر بھیجا کرتی تھیں، انھوں نے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان داری اور سچائی کی تعریف سنی، تو آپؐ کو بلوا کر کہا کہ آپؐ میرا سامان لے کر تجارت کیجئے، میں جتنا نفع دوسروں کو دیتی ہوں اس سے زیادہ آپؐ کو دوں گی، آپؐ راضی ہوگئے، اور ان کا سامان لے کر شام کے ملک کو گئے، بی بی خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا، اس تجارت میں خاصہ نفع ہوا، واپس آئے تو بی بی خدیجہؓ آپ کے کام سے بہت خوش ہوئیں،

بی بی خدیجہؓ سے نکاح اس سفر سے واپس آئے تین مہینے گذرے تھے کہ بی بی خدیجہ نے آپؐ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، اس وقت آپؐ کی عمر پچیس [۲۵] برس کی، اور بی بی خدیجہؓ کی چالیس برس کی تھی، پھر بھی آپؐ نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کر لیا، اور چند روز کے بعد نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ یہ تقریب انجام پاگئی، آپؐ کے چچا ابو طالب اور حمزہؓ اور خاندان کے دوسرے بڑے دلہن کے مکان پر گئے، ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا،

اب دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے، تجارت کا کام اسی طرح چلتا رہا، اور آپؐ عرب کے مختلف شہروں میں آتے

جاتے رہے، اور آپؐ کی نیکی، سچائی اور اچھے اخلاق کا ہر طرف چرچا تھا

شرک اور بُرائی کی باتوں سے بچنا

محمد (اللہ کا درود ان پر ہو) دنیا میں اس لئے پیدا کئے گئے تھے، کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیام سنائیں، ان کو برائی اور بدی کی باتوں سے بچائیں، اچھی اور نیک باتیں بتائیں، جس کے پیدا کرنے سے اللہ کی غرض یہ ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی اچھی باتیں دی ہوں گی اور اس کی خصلتیں کتنی اچھی بنائی ہوں گی، حضورؐ بچپن ہی سے بہت نیک، اچھے اور ہر برائی سے پاک تھے، بچپن میں بچوں کی طرح کے جھوٹے اور بیکار کھیل کود سے پاک رہے، اور جوان ہو کر بھی جوانی کی ہر برائی اور ہر بدی سے پاک رہے، جب کبھی کوئی معمولی بات بھی ایسی ہوتی، جو نبی، رسول اور اللہ کے قاصد کی شان کے مناسب نہ ہوتی تو آپؐ کو اللہ اس سے صاف بچا لیتا،

بچپن کا قصہ ہے کہ کعبہ کی دیوار درست ہو رہی تھی، بچے اپنے اپنے تہبند اُتار کر کندھوں پر رکھ کر پتھر لا دیتے تھے، آپؐ نے بھی اپنے چچا کے کہنے سے ایسا کرنا چاہا، تو غیرت کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑے، شروع جوانی میں ایک جگہ دوستوں کی بے تکلف مجلس تھی، جس میں لوگ فضول قصہ کہانی میں رات گذارتے تھے

آپؐ نے بھی ان کے ساتھ وہاں جانا چاہا، مگر آپ کو راہ میں ایسی نیند آگئی کہ صبح ہی کو جاکر آنکھیں کھلیں،

قریش کے سب ہی لوگ اپنے دادا ابراہیمؑ کا دین بھلا چکے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر مٹی اور پتھر کی شکلیں بنا کر ان مورتیوں کو پوجتے تھے، کچھ لوگ سورج اور دوسرے ستاروں کی پوجا کرتے تھے، مگر حضورؐ نے جب سے ہوش سنبھالا ان باتوں سے برابر بچتے رہے۔

رسول ہوتے ہیں

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ کا درود اور سلام ان پر ہو) چالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، یہ وہ زمانہ ہوتا ہے، جب آدمی کی سمجھ بوجھ پوری اور عقل پختہ ہو جاتی ہے، شروع جوانی کی خواہشیں ٹھنڈی ہو چکی ہوتی ہیں، دنیا کا اچھا برا تجربہ ہو چکا ہوتا ہے، یہی عمر اس کے لئے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا رسول اور قاصد بنائے اور جاہلوں کے سکھانے اور نادانوں کے بتانے کے لئے اس کو ان کا استاد مقرر فرمائے۔

اللہ اپنے رسولوں کو فرشتوں کے ذریعہ سے اپنی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے، اور اپنا کلام ان کو سناتا ہے، وہ رسول فرشتہ سے خدا کا کلام سن کر خدا کے بندوں کو وہی سناتے ہیں، اللہ کے جو نیک بندے رسول کے منہ سے خدا کا کلام سن کر خدا کی بات مانتے اور اس کے حکم پر چلتے ہیں، وہ مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ ان سے خوش ہوتا ہے، پیار کرتا ہے، اور جب تک وہ جیتے ہیں، اللہ ان کو ہر طرح کا انعام دیتا ہے، اور ان پر

اپنی برکت اُتارتا ہے، اور جب وہ مرجاتے ہیں، تو ان کی رُوح کو آرام اور چین نصیب کرتا ہے، اور قیامت کے بعد جب پھر سب لوگ جی کر اُٹھیں گے تو نیک لوگوں کو اللہ وہاں ہر طرح کی خوشی نصیب کرے گا، وہ بادشاہوں سے بڑھ کر وہاں ہر طرح کا آرام اور چین پائیں گے یہ بادشاہوں سے بڑھ کر آرام اور چین جہاں ملے گا، اس کا نام بہشت ہے، اور اسی کو جنت بھی کہتے ہیں،

اور جو لوگ اس رسول کی بات کو نہیں مانتے اور خدا کے کلام کو نہیں سنتے اور اس کے حکموں پر نہیں چلتے وہ اس دنیا میں بھی دل کا چین اور رُوح کا آرام نہیں پاتے اور مرنے کے بعد خدا کی خوشنودی سے محروم رہتے ہیں، اور قیامت کے بعد وہ دکھ، درد اور سزا پائیں گے، کہ ویسی تکلیف کبھی نہیں اٹھائی ہوگی، اور وہ مقام جہاں ان کو یہ سزا ملے گی وہ دوزخ ہے، جس کو جہنم بھی کہتے ہیں،

جس اللہ نے اپنے بندوں کے لئے زمین و آسمان بنایا، طرح طرح کے اناج، میوے اور پھل پیدا کئے، پہننے کو رنگ برنگ کے کپڑے بنائے زمین میں قسم قسم کے سبزے اور پھول اگائے، جس نے انسان کے چند روزہ آرام کے لئے یہ کچھ بنایا، کیا اس نے ان کے ہمیشہ کے آرام کا سامان نہ کیا ہوگا؟ جس طرح اس دنیا کے قاعدے قانون بنانے

اور سکھانے کے لئے استاد، طبیب اور ڈاکٹر بنائے ہیں، اسی طرح
اُس دنیا کے قاعدے اور قانون بتانے کے لئے رسول اور پیغمبر بنائے اور
جس طرح اِس دنیا کے استادوں اور ڈاکٹروں کا کہنا اگر ہم نہ
مانیں تو ہم کو دنیا میں اپنی نادانی اور جہالت سے بڑی تکلیفیں اُٹھانی
پڑیں، اسی طرح اگر ہم اپنی نادانی اور جہالت سے رسولوں اور
پیغمبروں کا کہنا نہ مانیں تو اُس دنیا میں ہم بڑی تکلیف اُٹھائیں گے

اللہ کے سارے احسانوں میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ
اس نے ہم کو اپنی باتوں کے سمجھانے اور نیکی کا راستہ دکھانے کے لئے
اپنے رسول بھیجے،

آدمؑ کے وقت سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک ہر زمانہ میں اور ہر
قوم میں خدا کے یہ رسول آتے رہے، سب سے پیچھے سب رسولوں کے
رسول حضرت محمدؐ (اللہ کا درود ان پر ہو) کو بھیجا، آپ کے بعد پھر
کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں، کیونکہ خدا کی بات پوری ہو چکی
اور خدا کا پیام ہر جگہ پہونچ چکا،

وَحی ہمارے رسول کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ نے
رسول بنانا چاہا، اس سے پہلے آپؐ کو اکیلے رہنا بہت پسند تھا،
کئی کئی روز کا کھانا لے لیتے اور مکہ کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں

جس کا نام حرا تھا، چلے جاتے اور اللہ کی باتوں پر غور کرتے، دنیا کی گمراہی اور عرب کے لوگوں کی یہ بری حالت دیکھ کر آپؐ کا دل دکھتا تھا، آپؐ اس غار میں دن رات خدا کی عبادت اور سوچ میں پڑے رہتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ کے حکم سے اللہ کا وہ فرشتہ جو اللہ کا کلام اور پیام لے کر رسولوں کے پاس آتا ہے، اور جس کا نام جبرئیلؑ ہے نظر آیا، اس فرشتہ نے خدا کا بھیجا ہوا سب سے پہلا پیغام جس کو وحی کہتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، خدا کی بھیجی ہوئی پہلی وحی یہ تھی،

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝	اپنے اس خدا کا نام پڑھ جس نے کائنات
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝	کو پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ	پڑھ تیرا خدا بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ	علم کو سکھایا، انسان کو وہ بتایا جو وہ
مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق)	نہیں جانتا تھا،

یہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پہلی وحی آئی، اس وحی کا آنا تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی امت کی تعلیم کا بڑا بوجھ ڈال دیا گیا، نادانوں کو بتانا، انجانوں کو سکھانا، اندھیرے میں چلنے والوں کو روشنی دکھانا، اور بتوں کے پجاریوں کو خدائے پاک کے نام سے

آشنا کرنا آپؐ کا کام ٹھہرایا گیا، آپؐ کا دل اس بوجھ کے ڈر سے کانپ گیا اسی حالت میں آپؐ گھر واپس آئے، اور اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی، اور کہا کہ آپؐ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں، بیکسوں کی مدد کرتے ہیں، اور جو قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہیں، ان کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو یوں نہ چھوڑ دے گا، پھر آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاں لے گئیں، ورقہ عیسائی ہوگئے تھے، اور عبرانی زبان جانتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کی کتاب توراۃ اور حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل پڑھے ہوئے تھے، انھوں نے خدا کے رسول (ان پر درود ہو) سے یہ سارا ماجرا سنا تو کہا کہ یہ وہی خدا کا فرشتہ ہے، جو موسیٰؑ پر اترا تھا، پھر کہا، اے کاش میں اس وقت طاقت ور اور تندرست ہوتا، جب تمہاری قوم تم کو تمہارے گھر سے نکالے گی، آپؐ نے پوچھا، کیا ایسا ہوگا؟ ورقہ نے کہا کہ جب پیغام لے کر آپؐ آئے ہیں، اس کو لیکر آپؐ سے پہلے جو بھی آیا، اس کی قوم نے اس کے ساتھ یہی کیا، اتفاق یہ کہ اس کے کچھ ہی روز کے بعد ورقہ نے انتقال کیا،

ابھی آپؐ نے اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ اللہ کا یہ حکم آیا، يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ اے چادر میں لپٹے ہوئے، کھڑا ہو جا، پھر ڈر سنا،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ، اور گندگی کو چھوڑ دے، (مدثر)

اسی وحی کے آنے کے بعد آپ پر فرض ہوگیا، کہ خدا پر بھروسہ کرکے کھڑے ہوجائیں، اور لوگوں کو خدا کی باتیں سنائیں، رب کی بڑائی بولیں، اور ناپاکی اور گندگی کی باتوں سے بچیں، اور بچائیں،

اسلام جس تعلیم کو لے کر ہمارے حضورؐ بھیجے گئے، اس کا نام "اسلام" تھا، اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو خدا کے سپرد کردیں، اور اس کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دیں، اس اسلام کو جو مان لیتا تھا، اس کو مُسلم کہتے تھے، یعنی خدا کے حکم کو ماننے والا، اور اس کے مطابق چلنے والا، اور اب ہم اسی کو اپنی زبان میں مسلمان کہتے ہیں،

توحید اسلام کا سب سے پہلا حکم یہ تھا، کہ اللہ ایک ہے، اس کی خدائی میں کوئی اس کا ساتھی اور ساجھی نہیں، زمین سے آسمان تک اسی ایک کی سلطنت ہے، سورج اسی کے حکم سے نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے، آسمان اس کے فرمان کے تابع، اور زمین اس کے اشارہ کی پابند ہے، پھل، پھول، درخت، اناج سب اسی کے اگائے ہیں، دریا، پہاڑ، جنگل سب اسی نے بنائے ہیں، نہ اس کے کوئی اولاد ہے نہ بیوی، نہ ماں باپ ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر اور مقابل ہے،

دکھ، درد اور رنج و غم سب وہی دیتا ہے اور وہی دور کرتا ہے،
ہر خیر اور خوشی اور نعمت وہی دیتا ہے، وہی چھین سکتا ہے،

اسلام کے اس عقیدہ کا نام توحید ہے، اور یہی اسلام کے کلمہ کا پہلا جزو ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں، اور نہ اس کے سوا کسی اور کا حکم چلتا ہے۔

فرشتے اللہ نے آسمان اور زمین کے کاموں کو وقت پر قاعدے سے انجام دینے کے لئے بہت سی ایسی مخلوقات بنائی ہیں، جو ہم کو نظر نہیں آتیں، یہ فرشتے ہیں جو رات دن اللہ کے حکموں کے بجانے میں لگے رہتے ہیں، ان میں خود کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے، جو کچھ ہے، وہ اللہ کے فرمانے سے ہے، یہ اسلام کے عقیدے کا دوسرا جزو ہے،

رسول تیسرا یہ ہے کہ اللہ کے جتنے رسول آئے ہیں، وہ سب سچے اور خدا کے بھیجے ہوئے ہیں، اور سب کی تعلیم ایک ہی تھی، سب سے پیچھے دنیا کے آخری رسول ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں،

کتاب چوتھا یہ ہے کہ رسولوں کی معرفت اللہ کی جو کتابیں توراۃ، انجیل، زبور، قرآن وغیرہ آئی ہیں وہ سب سچی ہیں،

مرنے کے بعد پھر جینا پانچواں یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم

پھر قیامت میں جی اُٹھیں گے، اور خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے اور وہ ہم کو ہمارے کاموں کا بدلا دے گا،

ایمان: یہی پانچ باتیں اسلام کا اصلی عقیدہ ہیں، جن کو ہر مسلمان یقین کرتا ہے، انہی باتوں کو مختصر کرکے ان دو فقروں میں ادا کیا جاتا ہے اور جن کے زبان سے کہنے اور دل سے یقین کرنے کو "ایمان" کہتے ہیں،

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (خدائے برحق کے سوا کوئی اللہ نہیں، اور محمد خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی باتوں کے پھیلانے اور لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

پہلے مسلمان ہونے والے عرب کے لوگ پرلے درجہ کے جاہل، نادان اور خدا کے دین سے بیخبر ہو گئے تھے، اور شرک و کفر میں ایسے پھنسے تھے کہ ان کی برائی وہ سن بھی نہیں سکتے تھے، سچائی کی یہ آواز جس کے کانوں میں سب سے پہلے پڑی، وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی خدیجہؓ ہیں، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب ان کے سامنے خدا کی تعلیم کو پیش کیا، تو وہ سننے کے ساتھ مسلمان ہوگئیں آپؐ کے مرد ساتھیوں میں ابوبکرؓ نام قریش کے ایک مشہور سوداگر تھے، ہمارے رسولؐ نے جب ان کو خدا کا پیام سنایا تو وہ بھی فوراً کلمہ پڑھ کر

مسلمان ہوگئے، اور اس وقت سے برابر آپؐ کے ہر کام میں آپؐ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے، آپؐ کے پیارے چچا ابو طالب کے کمسن بیٹے کا نام علیؓ تھا، یہ ہمارے رسولؐ کی گود میں پلے تھے، اور آپ ہی کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، وہ بچپن ہی سے مسلمان رہے، آپؐ کے ایک چہیتے خادم کا نام زیدؓ بن حارثہ تھا، انھوں نے بھی اسلام کا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔

اس کے بعد آپؐ نے اور حضرت ابو بکرؓ نے مل کر چپکے چپکے قریش کے ایسے لوگوں کو جو طبیعت کے نیک اور سمجھ کے اچھے تھے، اسلام کی باتیں سمجھانی شروع کیں، بڑے بڑے نامی لوگوں میں سے پانچ آدمی حضرت ابو بکرؓ کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے، ان کے نام یہ ہیں، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمانؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ، پھر یہ چرچا چپکے ہی چپکے اور لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچا، اور مکہ میں مسلمانوں کا شمار روز بروز بڑھنے لگا، ان میں چند غلام بھی تھے، جن کے نام یہ ہیں:۔ حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت خباب بن ارت اور حضرت صہیبؓ، قریش کے چند نیک مزاج نوجوان بھی پہلے اسلام لائے۔ جیسے حضرت ارقمؓ، سعدؓ بن زید، عبد اللہؓ بن مسعود، عثمانؓ

ابن مظعون، عبیدہ رضی اللہ عنہم،

اب رفتہ رفتہ یہ اثر مکہ کے باہر بھی پھیلنے لگا، اور قریش کے سرداروں کو بھی اس نئی تعلیم کا سن گن لگنے لگا، ایک تو جہالت، دوسرے باپ دادوں کے مذہب کی الفت، دو توں ایسی چیزیں تھیں کہ قریش کے سرداروں کو اس نئے مذہب پر بڑا غصہ آیا، جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو طرح طرح سے ستانے لگے، مسلمان پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں جا جا کر چھپ کر نماز پڑھتے تھے، اور اللہ کا نام لیتے تھے، ایک مرتبہ خود اللہ کے رسولؐ اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر کسی دَرّہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپؐ کے چچا ابوطالب آ نکلے، ان کو یہ نئی چیز عجیب معلوم ہوئی، بھتیجے سے پوچھا یہ کیسا دین ہے؟ فرمایا، یہ ہمارے دادا ابراہیمؑ کا دین ہے، ابوطالب نے کہا، تم شوق سے اس دین پر قائم رہو، میرے ہوتے تمہارا کوئی کچھ نہیں کر سکتا،

تین برس تک آپؐ یوں ہی چھپ چھپ کر اور چپکے چپکے بتوں کے خلاف وعظ کرتے رہے، اور لوگوں کو صحیح دین کا سبق پڑھاتے رہے، جو نیک اور سمجھدار ہوتے قبول کر لیتے، اور جو ناسمجھ اور ہٹ دھرم ہوتے، وہ نہ مانتے، بلکہ الٹے دشمن ہو جاتے،

اس زمانہ میں کعبہ کے پاس ایک گلی تھی، جس میں ایک بڑے سچے اور جان نثار مسلمان ارقمؓ کا گھر تھا، یہ گھر اسلام کا پہلا مدرسہ تھا، آپؐ اکثر یہاں تشریف رکھتے تھے، اور مسلمانوں سے ملتے اور ان کو خدا کی یاد اور نصیحت کی اچھی اچھی باتیں سناتے، اور ان کے ایمان کو مضبوط بناتے، جو لوگ اس دین کا شوق رکھتے وہ یہیں آ کر خدا کے رسولؐ سے ملتے اور مسلمان ہوتے،

پہلی عام منادی تین برس کے بعد خدا نے آپؐ کو حکم دیا، کہ اب علانیہ خدا کا نام بلند کرو، اور نڈر ہو کر بت پرستی کی مخالفت کرو، اور ہمارے بندوں کو نیکی اور نصیحت کی باتیں سناؤ، اتفاق کی بات دیکھو کہ اس وقت جس نے سب سے زیادہ آپ کا ساتھ دیا، اور آپ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، وہ بھی آپ کے ایک چچا تھے جن کا نام ابو طالب تھا، پڑھ چکے ہو کہ وہ آپؐ کو کتنا پیار کرتے تھے، اسی طرح جس نے سب سے زیادہ آپؐ کی مخالفت کی، اور آپؐ کی دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، وہ بھی آپؐ ہی کے ایک چچا تھے، جن کا نام ابو لہب تھا، ابو لہب کے علاوہ آپؐ کے دین کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل نکلا، جو قریش کا ایک سردار اور بڑا دولتمند تھا، قریش کے سرداروں کا کہنا یہ تھا کہ اگر خدا کو اپنا

قاصد اور ایلچی بنا کر کسی کو بھیجنا ہی تھا، تو مکہ یا طائف کے کسی دولتمند رئیس کو بنا کر بھیجتا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ خدا کے دربار میں دولت اور ریاست کی نہیں، بلکہ نیکی اور اچھائی کی قدر ہے اس نے دنیا بنانے سے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا، کہ قریش کے گھرانے کے عبداللہ کے یتیم بیٹے محمدؐ کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجے گا، چنانچہ اس نے بھیجا، اور وہ اب ظاہر ہوا،

اعلان

ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب دین کی کھلم کھلا منادی کا حکم ہوا تو آپ نے مکہ کی ایک پہاڑی پر جس کا نام صفا تھا، کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی، عرب کے دستور کے مطابق اس آواز کو سن کر قبیلہ کے سارے آدمیوں کا جمع ہو جانا ضروری تھا، اس لئے مکہ کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آ کر جمع ہوئے، آپؐ نے ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارے دشمنوں کا ایک لشکر آرہا ہے، تو کیا تم کو اس کا یقین آئے گا، سب نے کہا ہاں بیشک، کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا آپؐ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خدا کے پیغام کو نہیں مانا تو تمہاری قوم پر ایک بہت بڑی آفت آئے گی، یہ سن کر ابولہب نے کہا، کیا تم نے یہی سنانے کے لئے ہم کو یہاں بلایا تھا،

یہ کہہ کر اُٹھا اور چلا گیا، قریش کے دوسرے سردار بھی خفا ہو کر چلے گئے،

عام تبلیغ[١] لیکن ہمارے رسولؐ نے ان سرداروں کی خفگی کی پرواہ کی، اور بت پرستی کی برائی کھلم کھلا بیان کرتے رہے اور خدا کی یکتائی، عبادت اور اچھے اخلاق اور قیامت کا وعظ فرماتے رہے، جن کے دل اچھے تھے، وہ آپؐ کی بات قبول کرتے جاتے تھے، لیکن جو دل کے نیک نہ تھے، وہ شرارت پر اتر آئے، اور آپؐ کو طرح طرح سے ستانے لگے، راستہ میں کانٹے ڈال دیتے، آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو چھیڑتے، کعبہ کا طواف کرنے جاتے تو آوازے کستے، لوگوں میں آپؐ کو شاعر، جادوگر، پاگل وغیرہ مشہور کرتے، اور جو نیا آدمی آتا، اس کو پہلے ہی جا کر کہہ آتے کہ ہمارے یہاں ایک شخص اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر گیا ہے، اس کے پاس نہ جانا۔

آپؐ ان کی یہ تمام سختیاں جھیلتے تھے، اور اپنا کام کئے جاتے تھے، قریش نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہیں آتا، تو ایک دن وہ اکٹھے ہو کر آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے، اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، ہم کو نادان ٹھہراتا ہے، اب یا تو بیچ سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان میں آؤ

---

١ دین پھیلانے کی کوشش

آجاؤ، کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابوطالب نے
دیکھا کہ وقت اب نازک ہے، حضرتؐ کو بلا کر کہا، کہ مجھ بوڑھے پر اتنا
بوجھ نہ ڈالو کہ اٹھا نہ سکوں، ظاہر ہے حضرتؐ کو اگر کسی کی مدد کا
سہارا تھا تو یہی چچا تھے، ان کی یہ بات سن کر آپؐ آنکھوں میں
آنسو بھر لائے، پھر فرمایا "چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے
ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں، تب بھی
میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا" آپؐ کی یہ مضبوطی اور پکا ارادہ
دیکھ کر اور آپؐ کی اس اثر سے بھری ہوئی بات کو سن کر ابوطالب
پر بڑا اثر ہوا، آپؐ سے کہا، بھتیجے! جاؤ اپنا کام کئے جاؤ، یہ تمہارا
کچھ بھی نہیں کر سکتے،

اطمینان ہونا

چچا کا یہ جواب سن کر دل میں ڈھارس بندھی، اور اپنا کام
اور تیزی سے کرنا شروع کیا، اکثر قبیلے کے اکا دکا آدمی مسلمان ہونے
لگے تھے، قریش کے سرداروں نے دیکھا کہ دھمکی سے کام نہ چلا، اب ذرا
پھسلا کر کام چلائیں، سب نے مشورہ کر کے عتبہ نامی قریش کے ایک
سردار کو سمجھا بجھا کر آپؐ کے پاس بھیجا، اس نے آپؐ کے پاس پہنچ کر
یہ کہا، "اے محمدؐ! قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اگر تم مکہ کی
سرداری چاہتے ہو، تو وہ حاضر ہے، اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی

چاہتے ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے، اگر دولت چاہتے ہو تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں، مگر تم اس کام سے باز آؤ۔"

عتبہ کو خیال تھا کہ ہم جو چال چلے ہیں اس کی کامیابی میں شک ہی نہیں، محمد ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے لالچ میں آ کر ضرور ہی ہم سے صلح کر لیں گے، لیکن آپؐ کی زبان سے اس نے وہ جواب سُنا جس کی ذرا بھی اُمید اس کو نہ تھی، آپؐ نے قرآن پاک کی چند آیتیں اس کو سنائیں، ان آیتوں کا سننا تھا کہ اس کا دل دہل گیا، واپس آیا تو قریش نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہے، عتبہ نے کہا "بھائیو! محمدؐ جو کلام پڑھتے ہیں، وہ نہ شاعری ہے، نہ جادوگری ہے میری رائے یہ ہے، کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ گئے تو یہ ہماری ہی عزت ہے، ورنہ عرب کے لوگ خود ان کا خاتمہ کر دیں گے، لیکن قریش نے اس کی بات نہ مانی اور اپنی ضد پر برابر اڑے رہے،

اب آپؐ کا یہ کام تھا کہ ایک ایک آدمی کے پاس جاتے اور اس کو سمجھاتے، کوئی مان لیتا، کوئی چپ رہتا، کوئی جھڑک دیتا، اس حالت میں جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے، اور مسلمان ہوئے، ان کی بڑی تعریف ہے، اور ان میں سے بعض بعض کے مسلمان ہونے کا

قصہ بڑا دلچسپ ہے،

حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہونا حضرت حمزہؓ آپ کے چچا تھے، عمر میں کچھ ہی بڑے تھے، ایک رشتہ سے آپؐ کی خالہ کے بیٹے تھے، اور دودھ شریک بھائی بھی تھے، اس لئے وہ آپؐ سے بڑی محبت کرتے تھے، آدمی بڑے پہلوان تھے، زیادہ وقت سیر اور شکار میں خرچ کرتے تھے، ابوجہل کا حال تو معلوم ہے، کہ وہ آپؐ کو کس کس طرح ستاتا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے، کہ ابوجہل نے اپنے معمول کے مطابق آپؐ کو بہت کچھ برا بھلا کہا، ایک لونڈی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی، شام کو جب حمزہ شکار سے واپس آرہے تھے، اس لونڈی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، ان سے دہرادیا، حمزہ یہ سن کر غصہ سے لال ہوگئے، اور اسی حالت میں کعبہ کے صحن میں جہاں قریش کے بڑے بڑے لوگ اپنے جلسے جما کر بیٹھے تھے، آئے اور ابوجہل کے پاس آکر کمان اس کے سر پر ماری اور کہا، "لو میں مسلمان ہوگیا ہوں، تمہارا جو جی چاہے میرے ساتھ کر لو،" یہ کہہ کر گھر چلے آئے، اب وہ دن آیا کہ اسلام کے جرگے میں قریش کا ایک بڑا پہلوان شریک ہوگیا،

حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا خطاب کے بیٹے عمرؓ قریش کے ایک خاندان کے نوجوان تھے، مزاج میں سختی تھی، جو بات کرتے تھے

سختی سے کرتے تھے، یہ بھی اس وقت اسلام کے دشمن تھے، مسلمانوں
کو چھیڑا اورستایا کرتے تھے، خدا کا ایسا کرنا ہوا کہ ایک دن یہ کسی بتخانہ
میں پڑے سورہے تھے، کہ بتخانہ کے اندر سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی
آواز سنی، گھبرا کر اُٹھ بیٹھے، اور اب وہ اس آواز کی سچائی پر کبھی
کبھی غور کرنے لگے، حضورؐ راتوں کو جب قرآن پڑھتے تو یہ دوسروں
سے چھپ کر کھڑے ہو کر سننے لگے، ایک رات کو آپ نماز میں قرآن
کی ایک سورت پڑھ رہے تھے، عمر ایک ایک آیت سن رہے تھے،
اور اثر لے رہے تھے، لیکن چونکہ مزاج کے پختہ اور طبیعت کے مستقل
تھے، وہ اس اثر کو دفع کرتے رہے،

اس سے پہلے عمر کی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید مسلمان
ہو چکے تھے، عمر کو پتہ چلا تو دونوں کو رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا، مشہور
یہ ہے کہ ایک دفعہ عمر کے دل میں آیا، کہ چل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ہی کا سر قلم کیوں نہ کر دیں، کہ روز کا جھگڑا ختم ہو جائے، یہ
ارادہ کر کے وہ تلوار لگا کر گھر سے نکلے، راہ میں ایک مسلمان سے
ان کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا کہ عمر! کدھر کا قصد ہے، انہوں نے
کہا، جاتا ہوں کہ محمد کا کام آج تمام کر دوں، اس نے کہا پہلے اپنی
بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو، اس طعن سے وہ بیتاب ہو گئے، پلٹ کر

اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا، پہنچے تو قرآن پڑھنے کی آواز سنی، غصہ
سے بے قابو ہو کر بہن اور بہنوئی کو بھی کھول کر مارا، مگر دیکھا تو ان کو
توحید کا نشہ اسی طرح تھا، اُن کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا، کہا کہ اچھا
جو سورہ تم پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی دکھاؤ، انھوں نے وہ ورق
لاکر ہاتھ پر رکھ دیا، عمر جیسے جیسے اس کو پڑھتے جاتے تھے ان کا دل
کانپتا جاتا تھا، آخر چلا اُٹھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ وہ زمانہ تھا، جب آپؐ ارقمؓ کے گھر میں تھے، حضرت عمرؓ سیدھے
وہاں پہونچے، کواڑ بند تھے، آواز دی، جو مسلمان وہاں تھے، حضرت
عمرؓ کو تلوار لئے دیکھ کر ڈرے، حضرت حمزہؓ نے کہا "آنے دو، اگر وہ
خلوص کے ساتھ آیا ہے، تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر
قلم کر دیا جائے گا،" دروازہ کھلا، اور حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا
تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کر
فرمایا، کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو، عرض کی ایمان لانے کے
لئے، یہ سن کر مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ
کی پہاڑیاں گونج اٹھیں،

کافروں کو جب حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا حال معلوم
ہوا تو انھوں نے سب طرف سے حضرت عمرؓ کے مکان پر نرغہ کیا،

لیکن عاص بن وائل کے سمجھانے سے وہ واپس چلے گئے حضرت عمرؓ
مسلمان ہوئے تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی، اب تک مسلمان کافروں
کے ڈر سے کعبہ میں جاکر نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے
تو سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑکر کعبہ کے صحن میں جاکر نماز پڑھی،

ابوذر غفاریؓ کا مسلمان ہونا رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کے مسلمان ساتھیوں کو "صحابہ" کہتے ہیں، اسلام جیسے جیسے پھیلتا جاتا تھا
صحابیوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مکہ کے
باہر بھی وہ پہنچ گئے، مکہ سے کچھ دور پر غفار کا قبیلہ رہتا تھا، اس میں
ابوذرؓ اور انیسؓ دو بھائی تھے، ابوذرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ
مکہ میں ایک رسول پیدا ہوا ہے، جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے پاس
آسمان سے خدا کا پیام آتا ہے، تو انھوں نے اپنے بھائی انیسؓ کو بھیجا
کہ جاکر اس رسول کا حال دریافت کریں، اور اس کی باتیں سنیں،

انیسؓ مکہ آئے، اور واپس جاکر اپنے بھائی سے کہا، کہ وہ اخلاق
کی اچھی اچھی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے، اور جو کلام وہ پیش کرتا ہے،
وہ شعر نہیں، یہ سن کر ابوذرؓ کا شوق اور بڑھا، اور وہ خود سوار
ہوکر مکہ آئے اور کعبہ میں داخل ہوئے، کہ خدا کے اس رسول کا پتہ
لگائیں، کسی سے پوچھنا مشکل تھا، رات ہوگئی، اور وہ لیٹ گئے

حضرت علیؓ کا ادھر سے گذر ہوا، تو وہ سمجھے کہ یہ کوئی پردیسی ہے،
حضرت علیؓ نے ان کی طرف دیکھا، وہ پیچھے ہو لئے، راستہ میں ایک نے
دوسرے سے بات نہ کی، رات بھر وہ ان کے گھر رہے، صبح ہوئی تو
وہ پھر کعبہ چلے آئے، اور دن بھر یوں ہی پڑے رہے، رات ہوئی
تو پھر وہیں لیٹ گئے، حضرت علیؓ اب پھر ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ
وہی پردیسی ہے، ان کو اٹھا کر اپنے گھر لائے، اور کوئی بات چیت
نہیں ہوئی، رات گذار کر ابو ذرؓ پھر کعبہ میں پہنچے، اسی طرح دن گذرا،
رات آئی تو چاہا کہ یہیں لیٹ رہیں، کہ پھر حضرت علی مرتضیٰؓ کا
گذر ہوا، اور ان کو ساتھ لے کر چلے، راستہ میں پوچھا کہ تم کدھر
آئے ہو؟ انھوں نے جو ماجرا تھا بیان کیا، فرمایا ہاں سچ ہے، خدا
کے وہ رسول ہیں، اچھا صبح کو میرے ساتھ چلنا، صبح ہوئی تو وہ ان
کو لے کر خدا کے رسول کے ہاں چلے، جب وہاں پہنچے اور آپؐ کی
باتیں سنیں تو دل کی بات زبان پر آ گئی، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے،
حضرتؐ نے فرمایا اس وقت اپنے گھر چلے جاؤ، انھوں کہا کہ نہیں،
خدا کی قسم میں اس کلمہ کو ان کافروں کے سامنے چیخ کر کہوں گا،
یہ کہہ کر وہ کعبہ میں آئے، اور بڑے زور سے چیخ کر پکارے، اَشْھَدُ
اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ "میں گواہی دیتا

ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"
کافروں نے یہ آواز سنی تو ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے، اور سب نے
مل کر بری طرح ان کو مارا، عباسؓ آپ کے چچا دوڑ کر آئے، اور ان
کو بچایا، اور قریش سے کہا، کہ "تم کو معلوم نہیں، کہ یہ غفار کے قبیلہ کا
آدمی ہے، اور تمہاری تجارت کا راستہ اودھر ہی سے گذرتا ہے
تب قریش نے بڑی مشکل سے ان کو چھوڑا، دوسرے دن پھر وہ
کعبہ میں آئے، اور اسی طرح زور سے چلّا کر اسلام کا کلمہ پڑھا، کافر
پھر دوڑے، اور ان کو مارنے لگے، اور پھر حضرت عباسؓ نے آکر
ان کو چھڑایا، یہ تھا صحابہؓ کے اسلام کا نشہ جو اتارے نہ اُترتا تھا،

غریب مسلمانوں کا ستایا جانا قریش نے جب دیکھا
کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور یہ سیلاب رُوکے
نہیں رکتا، تو انھوں نے زور اور ظلم کرنے کی ٹھان لی، جس غریب
مسلمان پر جس کافر کا بس چلا اس کو طرح طرح سے ستانے لگا، دوپہر
کو عرب کی ریگستانی اور پتھریلی زمین بے حد گرم ہو جاتی ہے، اس
وقت وہ بے یار و مددگار مسلمانوں کو پکڑ کر اس تیز دھوپ میں
اسی گرم زمین پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھدیتے، بدن پر گرم
بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے، یہ وہ سزائیں

تھیں، جو بلالؓ اور صہیبؓ دو مسلمان غلاموں کو دی جاتی تھیں،

اس سے بھی تسکین نہ ہوتی، تو حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی باندھتے، اور لونڈوں کے حوالے کرتے، اور وہ ان کو گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے، لیکن ان کا یہ حال تھا، کہ اس حالت میں بھی زبان پر اَحَد اَحَد ہوتا، یعنی وہ خدا ایک ہے، وہ خدا ایک ہے،

صہیبؓ بھی غلام تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کو پکڑ کر اتنا مارتے تھے، کہ ان کے ہوش و حواس جاتے رہتے تھے،

خبابؓ بن ارث بھی پرانے مسلمانوں میں تھے، ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، یہاں تک کہ ایک دن گرم کوئلوں پر ان کو چت لٹایا گیا، اور اس وقت تک نہ چھوڑا گیا، جب تک کوئلے ٹھنڈے نہ ہو گئے،

یاسرؓ اور ان کے بیٹے عمارؓ اور بیوی سمیہؓ، یہ تینوں مکہ کے غریبوں میں تھے، اور اسلام لانے والوں میں بہت پہلے ہیں، یاسرؓ تو کافروں کے ہاتھوں سے تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مر ہی گئے، سمیہؓ کو ابوجہل نے ایسی برچھی ماری کہ وہ جان بحق ہو گئیں، عمارؓ کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ وہ بیہوش ہو جاتے، زنیرہؓ ایک مسلمان باندی تھیں، ابوجہل نے ان کو اتنا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، اور دوسرے غریب مسلمانوں اور نومسلم غلاموں اور کنیزوں کو ایسی

ہی سزائیں دی جاتیں، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ، عامرؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ وغیرہ مسلمان غلاموں اور باندیوں کو ان کے ظالم اور بے رحم مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔

یہ تو غریب مسلمانوں کا حال تھا، جو عزت اور دولت والے تھے وہ اپنے بزرگ رشتہ داروں کے پنجوں میں تھے، حضرت عثمانؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ کر مارا، حضرت سعیدؓ بن زید اور ان کی بیوی فاطمہؓ کو جو حضرت عمرؓ کی بہن تھیں حضرت عمرؓ نے رسی سے جکڑ دیا تھا، حضرت زبیرؓ مسلمان ہوئے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ مسلمان ہوئے تو کعبہ میں جا کر قرآن پڑھنا شروع کیا، کافروں نے ان پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی سے مارا۔

مسلمانوں پر [illegible] تنگ آ کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اور عرض کیا یا رسول اللہ! [illegible] آپ ان کے لئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور فرمایا کہ [illegible] [illegible] تم کو [illegible]

تم سے پہلے کسی پیغمبر کو آرے سے چیر دیا گیا، کسی کا گوشت لوہے کی کنگھی سے چھیل دیا گیا، مگر انھوں نے حق کو نہیں چھوڑا،

حبش کی ہجرت ایک شہر سے دوسرے شہر کو چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں، پڑھ چکے ہو کہ عرب کا ملک سمندر کا کنارہ ہے، اور حجاز جس سمندر کے کنارہ ہے، اس کا نام بحر احمر ہے، بحر احمر کے اس کنارہ افریقہ میں حبش کا ملک ہے، وہاں کا عیسائی بادشاہ بہت نیک تھا، مسلمانوں کی تکلیفیں جب بڑھ گئیں تو نبوت کے پانچویں سال حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے گیارہ مرد اور چار عورتیں کشتی میں بیٹھ کر حبش کو روانہ ہو گئے،

حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں، نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے ہاں بڑے امن وامان میں رکھا، قریش کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے نجاشی کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے، کہ یہ ہمارے مجرم ہیں، ان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے، بادشاہ نے مسلمانوں کو بلا کر حال پوچھا، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں کی طرف سے یہ تقریر کی،

" اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا زور آور کمزوروں کو کھا جاتا تھا، اتنے میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا

جس کی بزرگی، سچائی اور ایمان داری سے ہم واقف تھے، اس نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی، اور بتایا کہ ہم بتوں کا پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، ظلم سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، خیرات دیں، ہم نے اس شخص کو خدا کا پیغمبر مانا، اور اس کی باتوں پر عمل کیا، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اور ہم کو مجبور کرتی ہے، کہ ہم اس کو چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں رہیں۔"

نجاشی نے کہا، تمہارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے، کہیں سے پڑھو، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی پر ان کا یہ اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" یہ کہہ کر قریش کے آدمیوں سے کہا کہ "تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو واپس نہ دوں گا"

مسلمانوں نے جب نجاشی کی یہ مہربانی دیکھی، تو بعد کو اور بھی بہت سے مسلمان چھپ چھپ کر حبش کو روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی تعداد وہاں کم و بیش تراسی ۸۳ ہوگئی۔

ابوطالب کی گھاٹی (شعب) میں نظر بندی قریش نے دیکھا کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی، اس لئے قریش کے سب خاندانوں نے

مل کر نبوت کے ساتویں سال یہ معاہدہ کیا، کہ کوئی شخص پیغمبر خدا کے
خاندان سے جس کا نام بنو ہاشم تھا، کوئی تعلق نہ رکھے گا، نہ اُن سے
کوئی شادی بیاہ کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان
کو کھانے پینے کا کوئی سامان دے گا، یا یہ کہ وہ محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں
یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا، ابو طالب خاندان کے
سب لوگوں کو لے کر ایک درہ میں چلے گئے، جو شعب ابی طالب
کہلاتا ہے، یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ کر پناہ لی، اور بہت
تکلیف کے ساتھ یہاں رہنے لگے، پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے، سوکھا چمڑا
ملتا تو اس کو بھون بھون کر کھاتے، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، حضرتؐ کے
کھانے کے لئے بلالؓ بغل میں کچھ چھپا کر کہیں سے کبھی کبھی لے آتے تھے
کافر مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے تھے، تین سال اسی طرح
گذر گئے، آخر خود ان ظالموں میں سے کچھ کو رحم آیا، اور انھوں نے
اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات

[illegible]

ہی دن گزرے تھے کہ آپ کے پیارے چچا ابوطالب نے وفات پائی، ابھی
اس غم کو چند ہی روز گزرے تھے کہ حضرتؐ کی نیک بیوی حضرت خدیجہؓ نے بھی

انتقال کیا، یہ زمانہ آپؐ پر بہت سخت گذرا، آپؐ کے یہی دو مونس اور غمگسار تھے، دونوں ایک ہی سال آگے پیچھے چل بسے،

آپؐ پر مصیبتیں قریش کے ظالموں کو ابوطالب کے رعب داب اور حضرت خدیجہؓ کے خاطر سے اب تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، ان دونوں کے اُٹھ جانے پر میدان خالی ہوگیا، اب وہ خود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بےادبی سے پیش آنے لگے، ایک دفعہ آپؐ راہ میں جا رہے تھے، کہ کسی ظالم نے سر مبارک پر خاک ڈال دی، آپؐ اسی طرح گھر آئے، آپؐ کی صاحبزادی پانی لے کر آئیں، سر کو دھوتی جاتی تھیں، اور باپ کی یہ صورت دیکھ کر روتی جاتی تھیں، آپؐ نے فرمایا، باپ کی جان! رو نہیں، خدا تیرے باپ کو یوں نہ چھوڑے گا،

ایک دفعہ آپؐ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے، قریش کے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے، نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے، کہ کوئی اونٹ کی اوجھڑی لاکر اس کی گردن پر رکھ دے، چنانچہ ایک شریر نے یہ کام کیا، اس بوجھ سے آپؐ کی پیٹھ دب گئی، کسی نے حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے جاکر اس کی خبر کی، وہ آئیں تو کسی طرح اس کی گندگی کو ہٹاکر دور کیا،

ایک دفعہ ایک شریر نے آپؐ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر

چاہا کہ گلا گھونٹ دے، حضرت ابوبکرؓ نے دوڑ کر آپؐ کو بچا لیا، اور اس سے کہا کہ کیا ایک شخص کی جان صرف اتنی بات پر لینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے،

طائف کا سفر مکہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر طائف کا سرسبز اور شاداب شہر تھا، آپ نے مکہ کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر یہ طے کیا کہ طائف جائیں اور وہاں کے رئیسوں کو اسلام کا پیام سنائیں، آپؐ زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف گئے، اور وہاں کے رئیسوں کو دین حق کی دعوت دی، مگر افسوس کہ ان میں سے ایک نے بھی اس کو قبول نہیں کیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ بازار کے شریروں کو ابھار دیا کہ وہ آپؐ کو دق کریں، وہ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہوگئے، اور جب آپؐ ادھر سے گذرنے لگے، تو آپ کے پاؤں پر پتھر برسائے، جس سے آپؐ کے پاؤں لہولہان ہوگئے، آپؐ درد کے مارے کہیں بیٹھ جاتے، تو وہ بازو تھام کر اٹھا دیتے، شریر پھر پتھر مارتے اور گالیاں دیتے، آپؐ تھک کر پھر بیٹھ جاتے، آخر آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی، یہ کیسی بیکسی کا وقت تھا، اس وقت خدا کا ایک فرشتہ آپؐ کو نظر آیا، جس نے آپؐ کو خدا کا پیغام سنایا، کہ یا رسولؐ اللہ! اگر آپؐ کہیں تو طائف والوں پر ان پہاڑوں کو دے مارا جائے،

کہ وہ کچل کر رہ جائیں، آپؐ نے امت پر مہربان ہوکر عرض کی کہ "خدایا! ایسا نہ کر، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی تیرا ماننے والا پیدا ہو،

قبیلوں میں دورہ طائف کے ناکام سفر نے آپؐ کے مضبوط ارادہ پر کوئی اثر نہیں کیا، اب آپؐ نے قصد کیا کہ ایک ایک قبیلہ میں پھر کر خدا کا پیام سنائیں، اس کے لئے مکہ میں حج کا قدرتی موقع موجود تھا، اس زمانہ میں عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے اور کئی کئی دن ٹھہرتے مکہ کے آس پاس میلے بھی لگتے تھے، اور یہاں بھی آدمیوں کا جماؤ ہوتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجمعوں میں ایک ایک قبیلہ میں پھر پھر کر وعظ کہنا اور قرآن کی آیتیں سنانی شروع کیں، اس کا یہ اثر ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پھیل گئی،

اوسؓ اور خزرج میں اسلام انہی قبیلوں میں شہر یثرب کے رہنے والے دو مشہور قبیلے بھی تھے، جن کے نام اوسؓ اور خزرج ہیں، یہ قبیلے اس شہر میں مدت سے رہتے تھے، اور کاشت کاری کرتے تھے، ان کے آس پاس یہودی آباد تھے، جو سوداگر اور مہاجن تھے، لوگوں کو سود اور پیداوار پر قرض دیتے تھے، اور بڑی سختی سے وصول کرتے تھے، یہ قبیلے آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور ان پر یہ سرمایہ والے یہودی گویا ایک طرح کی حکومت کرتے تھے، غرض یہ دونوں قبیلے کچھ

تو آپس میں لڑ لڑ کر، اور کچھ یہودیوں کے پنجے میں پھنس کر تباہ ہو گئے تھے،

یہود کی آسمانی کتابوں میں ایک پیغمبر کے آنے کی خبر تھی، اور یہود کی اکثر محفلوں میں اس کے پیدا ہونے کی گفتگو رہا کرتی تھی، یہ آوازیں اوس اور خزرج کے کانوں میں بھی پڑا کرتی تھیں، نبوت کے دسویں سال رجب کے مہینہ میں ان دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ مکہ آئے، آپؐ عقبہ کے مقام پر ان سے ملے، اور ان کو خدا کا کلام سنایا، ان لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی پیغمبر معلوم ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے بازی لے جائیں، یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ آدمی تھے

دوسرے سال یثرب سے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے، انھوں نے خواہش کی کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجا جائے، جو ہم کو اسلام کی باتیں سکھائے، اور ہمارے شہر میں جا کر وعظ کہے، آپؐ نے اس کام کے لئے مُصعبؓ بن عُمیرؓ کو چنا، یہ عبد مناف کے پوتے اور پرانے مسلمانوں میں تھے، یہ ان لوگوں کے ساتھ یثرب آئے، اور یہاں آکر لوگوں کے گھروں میں پھر پھر کر اسلام کا وعظ کہنا شروع کیا، اس وعظ کے اثر سے لوگ مسلمان ہونے لگے، اور ایک سال کے اندر اندر اس شہر کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے،

عقبہ کی بیعت اگلے سال جب حج کا زمانہ آیا تو یثرب سے

بہتر آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے، اور چھپ کر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس وقت آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چچا عباسؓ بھی تھے جو گو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر آپؐ سے بہت محبت رکھتے تھے، انھوں نے ان لوگوں سے کہا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں بڑی عزت رکھتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے رہے، اب یہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر تم مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو، یثرب کے ایک سردار براءؓ نے کہا کہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں، وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ایک دوسرے سردار ابوالہیثمؓ نے کہا:

یا رسول اللہ! ہم سے اور یہودیوں سے تعلقات ہیں، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو جائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا "تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں"

اس کے بعد آپؐ نے ان میں سے بارہ نقیب (سردار) چنے (ان کے نام خود انہی لوگوں نے بتائے تھے، ان بارہ میں سے نو خزرج سے اور تین اوس کے تھے۔

ہجرت[1]

مدینۂ اور انصار[2]

(یثرب میں مسلمانوں کو امن کی جگہ مل گئی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنا دیس چھوڑ کر شہر یثرب کو چلے جائیں، مسلمانوں نے آہستہ آہستہ اب یثرب کو ہجرت کرنی شروع کی، آخر میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کو چھوڑ کر ہجرت کرنی چاہی، قریش کے لوگوں کو بھی اس کی خبر مل چکی تھی، انھوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ رات کو ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی جمع ہو اور سب مل کر ایک ساتھ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے ہوئے قتل کر دیں، خدا نے آپؐ کو ان کے اس مشورہ کی خبر کر دی؛)

---

[1] پہلے پڑھ چکے ہو اپنے دیس کو چھوڑ کر دوسرے دیس میں جا کر بسنے کو ہجرت کہتے ہیں،
[2] انصار ناصر کی جمع ہے، اس کے معنی مددگار کے ہیں، مدینہ کے جن مسلمانوں نے حضرتؐ کا ساتھ دیا وہ انصار کہلاتے ہیں، آگے آتا ہے،

مکہ والوں کو حضرتؐ کے مذہب سے گو سخت مخالفت تھی، مگر پھر بھی سب کو آپؐ کی دیانت اور امانت پر بڑا بھروسا تھا، چنانچہ بہت سے لوگوں کی امانتیں آپؐ کے پاس تھیں، آپؐ نے یہ امانتیں حضرت علی مرتضیٰؓ کو سپرد کیں، اور فرمایا کہ آج رات تم میرے بستر پر آرام کرنا اور صبح لوگوں کو ان کی یہ امانتیں دے کر تم بھی چلے آنا، اس حکم کے مطابق حضرت علیؓ نے رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آرام کیا، قریش کے لوگ صبح تک گھر کو گھیرے پڑے رہے، صبح سویرے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ محمدؐ کے بستر پر محمدؐ کے بجائے علیؓ بن ابی طالب ہیں۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ میں ہجرت کا مشورہ پہلے ہی ہو چکا تھا، دونوں اپنے گھروں سے نکل کر مکہ کے پاس ہی ثور نام ایک پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ گئے، صبح کو کافروں نے آپؐ کی کھوج شروع کی، اور ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اس غار کے منہ تک آ گئے، حضرت ابو بکرؓ گھبرا کر بولے "یا رسول اللہ! دشمن اتنے قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے"، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان کا وہی حال تھا، فرمایا، "گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ تین دن تک اسی غار میں رہے، حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبد اللہؓ رات کو آ کر مکہ والوں کے حالات

اور مشوروں کی خبر دیا کرتے تھے، کچھ رات گئے حضرت ابوبکرؓ کا غلام چپکے
سے بھیڑ بکریاں لے آتا، آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے،
تین دن آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ غار سے نکلے، ایک رات
دن برابر یوں ہی چلتے رہے، دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے نیچے
سایہ میں دم لیا، ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، ابوبکرؓ اس سے دودھ
لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پی لیا اور پھر آگے بڑھے،
قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار
کر لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم
نے جو کہ ایک خوبصورت سپاہی تھا، یہ اشتہار سنا تو انعام کے لالچ
میں پیچھا کیا، گھوڑے پر سوار نکلا اور ٹھیک اس وقت آپؐ
کے پاس پہنچا، جب آپؐ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپؐ
کو دیکھ لیا اور چاہا کہ گھوڑا دوڑا کر فوراً پہنچ جائے، لیکن گھوڑے
نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا، ترکش سے تیر نکالا کہ [illegible]
کے مطابق فال نکالا، جواب نہیں میں آیا [illegible]
وہ کیا [illegible]
[illegible] پیچھا کیا [illegible] قریش کی [illegible]
خدا کے رسول [illegible]

مدینہ مدینہ عربی میں شہر کو کہتے ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب تشریف لے آنے کے بعد یثرب کا نام "مدینۃ النبی" نبی کا مدینہ یعنی شہر مشہور ہوا، اور اس وقت سے اس کا نام مدینہ ہو گیا،

مدینہ کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر ہو چکی تھی اور سب پر انتظار کا عالم تھا، بچے تک خوشی اور جوش میں گلی کوچوں میں کہتے پھرتے تھے کہ "ہمارے پیغمبر آ رہے ہیں" چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر آپؐ کے آنے کی خوشی میں گیت گاتی تھیں، نوجوان ہتھیار سج سج کر شہر سے باہر نکل جاتے تھے، اور پہروں آپ کی آمد کا انتظار کرتے تھے، ایک دن وہ انتظار کر کے واپس پھرے ہی تھے کہ ایک یہودی نے ایک مختصر سا قافلہ آتے دیکھ کر پکارا، اے لوگو! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا، اس آواز کو سنتے ہی سارا شہر تکبیر کے نعرہ سے گونج اٹھا، اور مسلمان ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے، یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور نبوت کا تیرھواں سال تھا،

پہلی مسجد مدینہ سے تین میل باہر کچھ اونچائی پر پہلے سے ایک چھوٹی سی آبادی تھی، جس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں، یہاں مسلمانوں کے کئی معزز گھرانے رہتے تھے، کلثومؓ بن ہدم ان کے سردار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مہمان ہوئے، اور چودہ دن ان کے مہمان رہے

حضرت علیؓ مرتضیٰ بھی پہنچ چکے تھے، اور وہ بھی یہیں ٹھہرے تھے، یہاں کے قیام کے زمانہ میں حضور نے خود اپنے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، جس کا نام "قبا کی مسجد" ہے

پہلا جمعہ چودہ دن کے بعد آپؐ نے شہر مدینہ کا رُخ کیا، یہ جمعہ کا دن تھا، راہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آگیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں جمعہ کی پہلی نماز تھی، نماز سے پہلے خطبہ پڑھا، یہ خطبہ ایسا تھا کہ جس نے سنا اثر میں ڈوب گیا،

مدینہ میں داخلہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے آپؐ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار لگا کر آپ کو لینے آئے، قبا سے شہر مدینہ تک ہر قبیلہ کے معزز لوگ دو رویہ کھڑے تھے، آپؐ جس قبیلہ کے آگے سے گزرتے وہ عرض کرتا، کہ اے خدا کے رسولؐ! یہ گھر، یہ مال یہ جان حاضر ہے، آپؐ شکریہ ادا کرتے، اور دعائے خیر دیتے، شہر قریب آیا، تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں،

طلع البدر علینا	چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا
من ثنیات الوداع	وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے،

مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ   جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

بنو نجار کی لڑکیاں جن کو حضورؐ کے ننہالی رشتہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا، خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں،

نحن جوار من بنی النجار   ہم نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں!

یا حبذا محمد من جار   اے ہے محمدؐ ہمارے پاس بس گئے،

جہاں اب مسجد نبوی ہے، یہاں ابو ایوبؓ انصاری کا گھر تھا جو نجار کے خاندان سے تھے، آپؐ اونٹنی پر سوار تھے، ہر شخص چاہتا تھا کہ اس کو آپؐ کے مہمان بنانے کی عزت حاصل ہو، اور اس لئے وہ اونٹنی کو اپنے گھر کے پاس روکنا چاہتا تھا، آپؐ نے فرمایا، اس کو چھوڑ دو، جہاں خدا کا حکم ہوگا، وہیں یہ جاکر ٹھہرے گی، وہ جب حضرت ابو ایوبؓ کے ... گھر کے پاس پہنچی تو بیٹھ گئی، حضرت ابو ایوبؓ کی خوشی کا کیا کہنا، نہال ہوگئے، حضورؐ کو اپنے یہاں مہمان اتارا، اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا، حضرتؐ سات مہینے تک انہی کے گھر رہے،

انصار عربی لفظ ہے، ناصر کی جمع ہے، اس کے معنی مددگار کے ہیں، مدینہ کے مسلمانوں نے اسلام کی، اور مکہ کے پریشان حال مسلمانوں کی جس طرح خدمت اور خاطر مدارات کی، اس کا لحاظ کرکے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے مسلمانوں کا نام انصار یعنی مددگار رکھا، اور اس وقت سے

وہ انصار کہلانے لگے، اور جو اپنے اپنے گھر چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے، اُن کو
مہاجر (گھر چھوڑنے والا) خطاب ملا،

انصار نے ان مہاجروں کو اپنے اپنے گھروں پر اتارا، ان کو
اپنی جائداد میں سے حصہ دیا، اور اپنے کاروبار میں شریک کیا، اب تیرہ سال
کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے امن اور اطمینان کی سانس لی،

مسجد نبویؐ اور حجروں کی تعمیر

مدینہ میں مسلمانوں کو سب سے
خدا کا گھر یعنی مسجد بنانا تھا، آپ جہاں
ٹھہرے تھے، اسی سے ملی ہوئی نجار کے قبیلہ کے دو یتیم بچوں کی ایک پڑتی
زمین تھی، آپؐ نے اس کو مسجد کے لئے پسند کیا، دونوں یتیموں نے اپنی طرف
سے یہ زمین مفت دینی چاہی، مگر آپؐ نے یہ پسند نہیں کیا، ایک
انصاری نے قیمت ادا کر دی، زمین برابر کر کے مسجد بننی شروع ہوئی،
اس مسجد کے بنانے والے معمار اور مزدور کون تھے؟ خود آپؐ اور آپؐ
کے وفادار ساتھیؓ، سب نے مل کر ایک کچی سی دیوار اٹھا کر اوپر کھجور کے
تنہ اور پتوں کی چھت بنائی، یہی پہلی مسجد نبویؐ تھی،

مسجد کے قریب ہی اپنے لئے اسی قسم کی چند کوٹھریاں بنوائیں،
جن کو حجرہ کہتے ہیں، جن میں آپ اور آپؐ کے گھر کے لوگ (اہلبیت) رہنے
لگے، آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ زہرا، اور آپؐ کی بیویاں،

حضرت عائشہ رضا اور حضرت سودہ رضا مکہ سے آکر یہیں اتریں۔

صفہ والے صفہ عربی میں "چبوترہ" کو کہتے ہیں، مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترہ بنایا گیا تھا، یہ اُن مسلمانوں کا ٹھکانا تھا جن کا کہیں ٹھکانا نہ تھا، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں لاکر بیچتے تھے، اور اس سے گذر کرتے، اور رات کو ایک استاد سے لکھنا، پڑھنا اور دین کی باتیں سیکھتے تھے، یہ حضورؐ کے پاس اکثر رہتے تھے، اور آپؐ کے ارشادات کو سن کر یاد رکھتے، کہیں کسی داعی یا مبلغ یعنی اسلام پھیلانے اور سکھانے والے کی ضرورت ہوتی، تو انہی میں سے بھیجے جاتے،

نماز کی تکمیل اور قبلہ مکہ میں چونکہ امن وامان نہ تھا، نہ کھلے بندوں نماز پڑھنے کی اجازت تھی، اس لئے فرض نماز دو ہی رکعتیں تھیں، مدینہ آکر جب مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی، اور مذہب کی آزادی ملی، تو ظہر، عصر، عشا کی چار چار رکعتیں پوری کی گئیں، مغرب کی تین رہیں، اور صبح میں دو، کیونکہ صبح کے وقت لمبی قرات یعنی رکعتوں کے بدلے زیادہ قرآن پڑھنے کا حکم تھا،

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کو مقررہ وقت پر بلانے کے لئے کوئی نشانی مقرر کی جائے، ہندوؤں میں اس کے لئے سنگھ، عیسائیوں میں گھنٹا، اور یہودیوں میں

قرنا، کا رواج تھا، اسلام میں کھیل تماشے کی ان بے معنی آوازوں کے بجائے انسان کی فطری آواز کو پسند کیا گیا، کہ کوئی کھڑا ہو کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمدؐ خدا کے رسول ہیں) پکارے، اور سارے مسلمان اس آواز کو سن کر جوق جوق مسجد کا رخ کریں،

جمعہ کی نماز بھی مکہ میں نہیں ہو سکتی تھی، مدینہ آکر اس فرض کے ادا کرنے کا موقع ملا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر نے جو حضورؐ سے پہلے ہی امام بنا کر مدینہ بھیجے گئے تھے، مدینہ آکر جمعہ کی نماز ادا کی، پھر جب حضورؐ آئے، اور قبا میں چند روز ٹھہر کر مدینہ جانے لگے، تو جمعہ کا دن پڑا، آپؐ نے اس میں خطبہ دیا، اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی،

قبلہ نماز میں سب کو کسی ایک سمت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہیئے، اسی سمت کو قبلہ کہتے ہیں، یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے، یہ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مسجد تھی، اور عرب والوں کا قبلہ کعبہ تھا، جو حضرت ابراہیمؑ کی مسجد تھی، حضورؐ جب تک مکہ میں رہے، کعبہ کے سامنے اس طرح کھڑے

ہوتے تھے، کہ بیت المقدس بھی سامنے پڑجاتا تھا، مدینہ آئے تو صورت بدل گئی، مدینہ کے ایک طرف کعبہ تھا تو دوسری طرف بیت المقدس، اس لئے ان دو میں سے ایک ہی کو قبلہ بنایا جا سکتا تھا، پہلے تو آپؐ یہودیوں کی پیروی میں حضرت داودؑ کی مسجد بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے، مگر سولہ مہینہ کے بعد خدا کا حکم آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی مسجد یعنی کعبہ کی طرف منہ کرو، کیونکہ وہی خدا کا سب سے پہلا گھر ہے، اس وقت سے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا،

بھائی چارا مسلمان یوں بھی ہر گھرانے سے ایک ایک دو دو کرکے مسلمان ہوئے تھے، اور پھر ان کو اپنا گھر بار اور مال و دولت سب کچھ چھوڑکر بدیس نکلنا پڑا، مدینہ آئے تو یہ مسلمان بالکل پریشان اور تباہ حال تھے، حضورؐ نے یہ کیا کہ ایک ایک بے گھر کے مسلمان کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، پھر یہ ایسے بھائی بنے، جو خون کے رشتہ سے بڑھ کر ہوئے، ہر ایک نے اپنے بھائی کو اپنے گھر یا اپنی زمین میں جگہ دی، اپنے مال و دولت میں سے حصہ دیا، اپنے کھیت بانٹ دئے، اپنے کاروبار اور بیوپار میں شریک کیا،

یہود کا قول و قرار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے مدینہ کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج لڑ لڑ کر تھک

چکے تھے، اور چاہا تھا کہ اپنے میں سے ایک رئیس کو جس کا نام عبد اللہ ابن اُبی بن سلول تھا، اپنا بادشاہ بنالیں، مدینہ میں ایک دوسرا گروہ یہودیوں کا آباد تھا، یہ حجاز کے سوداگر اور مہاجن تھے، اور یہاں سے لے کر شام کی سرحد تک ان کی تجارتی کوٹھیاں اور گڑھیاں تھیں، اور اپنے روپیہ کے زور سے مدینہ کے حاکم بنے بیٹھے تھے، اپنی مصلحت کے لحاظ سے وہ کبھی اَوس کا ساتھ دیتے تھے اور کبھی خزرج کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے، تو شروع شروع میں انھوں نے شاید یہ سمجھ کر کہ یہ ایک ایسا مذہب لے کر آئے ہیں جو ہمارے مذہب کے قریب قریب ہے، آپؐ کی مخالفت نہیں کی، آپؐ نے شہر کی بے اطمینانی اور بد امنی کی حالت کو دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک ایسا سمجھوتہ ہو جائے، کہ دونوں فریق اس شہر میں آزادی سے رہ سکیں، ہر ایک کا مذہبی حق محفوظ ہو، اور شہر کے سارے رہنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی، باہر سے حملہ کرنے والوں کے مقابلہ میں ایک ہوں، چنانچہ آپؐ نے یہودیوں سے بات چیت کر کے اس قسم کے ایک معاہدہ پر ان کو رضامند کر لیا، اور انھوں نے اس کا پکا وعدہ کیا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ان کو نظر آیا کہ اسلام کی طاقت شہر میں روز بروز

بڑھتی جاتی ہے، اور ان کا پہلا دور ٹوٹ رہا ہے، یہ دیکھ کر وہ دل میں جلنے لگے،

عبداللہ بن اُبی کو خیال تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نہ آتے تو مدینہ کی بادشاہی اسی کو ملتی، اس لئے گو وہ اور اس کے ساتھی منہ پر مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں بول سکتے تھے، مگر دل میں وہ بھی مسلمانوں کے مخالف اور یہودیوں کے شریک تھے، انہی کو منافق کہتے ہیں،

مکہ والوں کی شرارتیں اور سازشیں

جو مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے تھے، مکہ والوں نے ان کے گھروں اور جائدادوں پر قبضہ کر لیا، اور سب سے بڑی بات یہ کی کہ خانہ کعبہ میں آنا اور حج کرنا اُن کے لئے بند کر دیا، کوئی جاتا تو چھپ کر اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر جاتا، اور جو غریب مسلمان یا چھوٹے بچے یا عورتیں مدینہ نہیں آسکی تھیں، ان پر پہرہ بٹھا دیا کہ وہ نہ جانے پائیں،

اتنے ہی پر اُنھوں نے بس نہیں کیا، بلکہ یہ دیکھ کر کہ ان کے مجرم یعنی مسلمان، ان کی گرفت سے آزاد ہو کر مدینہ میں زور پکڑ رہے ہیں انھوں نے یہودیوں اور مدینہ کے منافقوں سے سلام و پیام شروع کر دیا، اور ان کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے بھاگے ہوئے مجرموں کو اپنے گھروں میں رکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کو نکال دو، ورنہ ہم آکر

تمہارے شہر پر حملہ کریں گے،

مسلمانوں کے تین دشمن مکہ میں مسلمانوں کا ایک ہی دشمن تھا، یعنی مکہ کے کافر، مدینہ آکر ان کے تین دشمن ہوگئے، مکہ کے کافر، مدینہ کے منافق، اور حجاز کے یہود، مکہ کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لئے وہ تلوار سے فیصلہ چاہتے تھے، مدینہ کے منافق اپنی چالوں اور سازشوں سے نقصان پہونچاتے رہتے تھے، اور حجاز کے یہود جو عرب کے سرمایہ والے تھے، پورے حجاز میں اپنی دولت اور سرمایہ کے زور سے اودھم مچائے ہوئے تھے، عرب کی ساری دولت ان کے قبضہ میں تھی، عرب مزدوروں کی کاشت اور کھیتی کی پیداوار کے مالک بنے بیٹھے تھے، ملک کا سارا بیوپار اور کاروبار ان کے ہاتھوں میں تھا، اور وہ اپنے سود در سود اور دوسرے ہتھکنڈوں سے عرب کے بے تاج کے بادشاہ اور ملک کی بھلائی کی ہر کوشش کے مخالف تھے،

اسلام کو ان تینوں طاقتوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا، اور ان میں سے ہر ایک کے ہٹانے کے لئے الگ الگ تدبیر کرنی پڑی،

منافقوں سے برتاؤ منافق چونکہ زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اس لئے ان کی علانیہ مخالفت نہیں کی گئی، اور نہ سزا دے کر ان کو اور زیادہ دشمن بنایا گیا، بلکہ آپؐ نے ہمیشہ ان کے

ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا، ان کے قصوروں پر طرح دیتے تھے، اور پوچھ گچھ
نہیں کرتے تھے مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نیک برتاؤ اور شریفانہ
سلوک سے وہ آخرکار متاثر ہوکر پکے مسلمان ہوجائیں، ایک آدھ دفعہ
کسی صحابی نے آپؐ کی خدمت میں یہ عرض بھی کیا، کہ یا رسول اللہؐ!
مجھے اجازت ہو تو بعض منافقوں کی گردنیں اڑا دوں، فرمایا "نہیں،
کیا تم لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دینا چاہتے ہو، کہ محمدؐ اپنے آدمیوں کو
آپ مروا دیتے ہیں" فرمایا، جس نے زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ دیا اس کا شمار مسلمانوں میں ہے،
اور اس کے اندر کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی جب مرا تو آپؐ نے اس کے
پکے مسلمان بیٹے کی درخواست پر اپنے بدن کا مبارک کرتا اس کو
پہنا دیا، یہیں تک نہیں، بلکہ بعض مسلمانوں کے کہنے سننے کو بھی نہیں
مانا اور اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی،

انہی دنوں میں ایک دفعہ آپؐ بنو حارث کے محلہ سے گدھے
پر سوار گذر رہے تھے، راہ میں ایک جگہ کچھ مسلمان، کچھ یہود اور
کچھ منافق بیٹھے تھے، جن میں ان کا سردار عبداللہ بن اُبَی بھی تھا، گدھے
کے چلنے سے کچھ گرد اڑی، تو عبداللہ نے حقارت سے کہا، کہ گرد نہ اڑاؤ

آپؐ نے کچھ خیال نہ کیا، اور مجمع کو سلام کیا، اور اُن کو اللہ کے کچھ احکام سنائے، اس پر عبداللہ نے پھر کہا:- اے صاحب! مجھے یہ پسند نہیں، اگر تمہاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس میں آکر ہم کو ستایا نہ کرو، جو تمہارے پاس جائے، اسی کو سنایا کرو، مسلمانوں کو اس کے اس برتاؤ سے بڑا غصہ آیا، مگر آپؐ نے ان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، اور آگے بڑھ گئے،

لیکن پھر بھی چونکہ وہ گھر کے بھیدی تھے، اس لئے مسلمانوں کو اُن سے چوکنا رہنے کی تاکید کی گئی، ان سے راز کی بات چھپائی جاتی اور مسلمانوں کو ان پر بھروسہ رکھنے سے باز رکھا، اور ان کی دوستی سے روکا گیا، یہ گروہ اسلام کے غلبہ کے بعد آپ سے آپ فنا ہو گیا،

مکے کے کافروں کی روک تھام

مکے کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لئے ان کی روک تھام کے لئے دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوئی، مکہ والوں نے کمزور مسلمانوں کو مدینہ آنے سے روک کر گویا ان کو اپنی قید میں لے لیا تھا، باہر سے مسلمانوں کو مکہ آنے نہیں دیتے تھے، حد یہ ہے کہ کعبہ کا طواف اور حج جو سارے عرب کے لئے کھلا ہوا تھا، مسلمانوں کے لئے وہ بھی بند تھا، آپؐ نے مکہ والوں کو ان کے اس برتاؤ کے بدلنے پر مجبور کرنے کے لئے یہ کیا کہ ان کے بیوپاریوں

کو جو شام آتے جاتے تھے، دو دو چار چار اور کبھی کبھی دس بارہ مسلمانوں کو بھیج کر ڈروانے لگے، تاکہ وہ اپنے بیوپار کی خاطر مسلمانوں سے صلح کرلیں، اور مسلمانوں پر سے اپنی پابندیاں اُٹھالیں، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، اور برابر اپنی ضد پر قائم رہے، اور مسلمان بھی ان کے بیوپار کے راستہ کو روکنے کے لئے اڑے رہے، مدینہ، شام اور حجاز کے بیچ میں پڑتا تھا، اس لئے مکہ والے اپنا راستہ بدل بھی نہیں سکتے تھے

اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ کیا کہ مدینہ کے آس پاس میں جو عرب قبیلے ایسے تھے، جن کے بگڑ جانے یا مکہ والوں کا ساتھ دینے سے مدینہ کا امن و امان خاک میں مل جاتا، ان کے پاس جا جا کر ان سے صلح کا معاہدہ کرنے لگے، اس طرح پہلے جُہَینہ کے قبیلہ سے، پھر بنو ضمرہ سے صلح اور دوستی کے معاہدے ہوئے،

مکہ کے کافر یہ دیکھ کر اور جلنے لگے، اور سمجھے کہ اس سے محمدؐ کا زور اور بڑھے گا، جس کا توڑ ضروری ہے، چنانچہ مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر چھاپا مارا، اور آپؐ کے اونٹ لوٹ لے گیا، مسلمانوں نے پیچھا کیا، مگر وہ بچ کر نکل گیا،

اس واقعہ کے تیسرے مہینہ آپؐ دو سو مہاجروں کو لے کر بنی مُدلج کے قبیلہ میں پہنچے اور اس سے بھی دوستی کا معاہدہ کیا،

کچھ دنوں کے بعد یہ ہوا کہ رجب ۲ھ میں آپؐ نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا، اور ان کو ایک بند خط دے کر فرمایا، کہ اس کو دو دن کے بعد کھولنا، دو دن کے بعد خط کھولا، تو اس میں لکھا تھا کہ "نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگاؤ، اور خبر دو۔" اتفاق یہ کہ مکہ کے کچھ لوگ جو شام سے تجارت کا مال لے کر آرہے تھے سامنے سے گذرے، مسلمانوں کے اس دستہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا، اور دو پکڑ لیے گئے، اور قافلہ کا مال لوٹ لیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی، تو ناراضی ظاہر کی، اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا، تم نے تو لڑائی کی آگ لگا دی، اور اسی کے ساتھ عرب کے قاعدے کے مطابق اس دستہ نے جو مال لوٹا تھا وہ بھی اسی کو لوٹا دیا، مکہ کا جو آدمی مارا گیا تھا، وہ قریش کے ایک بڑے سردار کا ساتھی تھا، اور جو دو آدمی پکڑے گئے تھے، وہ بھی قریش کے ایک دوسرے سردار کے پوتے تھے، اس واقعہ نے مکہ والوں میں بدلہ لینے کا نیا جوش پیدا کر دیا،

بدر کی لڑائی بدلہ لینے کے لئے ایک بڑی لڑائی ضروری تھی، اور لڑائی کے لئے سرمایہ بھی ضروری تھا، مکہ والوں نے اپنا

سارا سرمایہ دے کر ایک تجارتی قافلہ شام کو بھیجا، پہلے واقعہ کے دو ڈھائی مہینوں کے بعد رمضان سنہ ۲ھ میں یہ قافلہ لوٹ کر آرہا تھا کہ مکہ والوں کو خبر پہنچی، کہ مسلمان اس پر چھاپا مارنا چاہتے ہیں، یہ خبر پاتے ہی قریش کے بڑے بڑے سردار ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر مکہ سے نکلے، ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی، تو آپؐ بھی کچھ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے چل پڑے، قافلہ تو بچ کر مکہ پہنچ چکا تھا، مگر مکہ والوں نے کہا، کہ ہم بدر پہنچ کر خوشی منائیں گے، اور ناچ رنگ اور شراب وکباب کے جلسے کریں گے، بدر ایک گاؤں کا نام تھا، جہاں سال کے سال یوں بھی میلہ لگتا تھا،

مدینہ سے ایک میل نکل کر آپؐ نے پڑاؤ کیا، بچوں کو واپس کیا، مدینہ میں منافقوں اور یہودیوں کا ڈر تھا، اس لئے ابولبابہؓ صحابی کو مدینہ کا حاکم بنا کر مدینہ لوٹا دیا، اور دو آدمیوں کو آگے بھیجا کہ قریش کا پتہ لگائیں، جب بدر کے قریب پہنچے، تو خبر پہنچانے والوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں، یہ سن کر آپؐ یہیں رک گئے،

رات بھر دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے، مسلمانوں نے بھی کمر کھول کھول کر آرام کیا، مگر خدا کا رسولؐ رات بھر کھڑا نماز اور دعا میں لگا رہا، صبح ہونے کو آئی تو مسلمانوں کو نماز کے لئے آواز دی،

نماز کے بعد جہاد پر وعظ فرمایا،

یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا، اور کافروں سے ان کی یہ پہلی لڑائی تھی،

ایک نیک دل قریشی نے چاہا کہ یہ لڑائی ٹل جائے، اور ابن حضرمی کا خون بہا اس کے وارث کو دے دیا جائے، عتبہ قریش کا سردار اور حضرمی کا حلیف اس کے لئے تیار تھا، مگر ابوجہل نے اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دیا،

[illegible] کی تجویز

صبح ہوئی تو دونوں فوجیں میدان میں آکر کھڑی ہوئیں، ایک طرف ایک ہزار کا دل بادل تھا جو لوہے میں غرق تھا، اور دوسری طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، جن کے پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے لیکن حق کا زور ان کے بازوؤں میں تھا، اور دین کا جوش ان کے سینوں میں امنڈ رہا تھا، اللہ کے رسولؐ لڑائی کے میدان سے ذرا ہٹ کر ایک چھپر کے سایہ میں اللہ کے حضور سر جھکائے، فتح کی دعا مانگ رہے تھے، اور عرض کر رہے تھے کہ خداوندا اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر پوجنے والے مٹ گئے تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی،

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ پہلے ابن حضرمی کا بھائی عامر جس کو اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ تھا، آگے بڑھا، ایک غلام مسلمان اس کے مقابلہ کو نکلا، اور وہ مارا گیا، اس کے بعد عتبہ جو قریش کے لشکر

کا سردار تھا، بڑی شان سے نکلا، اس کے ساتھ ولید اور شیبہ بھی آگے بڑھے، ادھر مسلمانوں کی طرف سے بھی مدینہ کے تین انصاری مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے ان کا نام و نسب پوچھا، اور جب معلوم ہوا کہ یہ مدینہ والے ہیں، تو پکارا "محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں" حضورؐ کے فرمانے سے یہ انصاری ہٹ آئے، اور اب حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے،

عتبہ، حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوئے، اور مارے گئے، لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ آگے بڑھے، اور شیبہ کا کام تمام کر دیا، حضرت زبیرؓ نے عبید بن العاص کا مقابلہ کیا، اور ایسی تان کر برچھی ماری کہ وہ دھم سے زمین پر آرہا،

اب عام حملہ شروع ہو گیا، مدینہ میں ابوجہل کی شرارت اور مسلمانوں سے دشمنی کا چرچا عام تھا، انصار کے دو نوجوان اس کی تلاش میں نکلے، اور لوگوں سے پتہ پوچھ پوچھ کر باز کی طرح اس پر ایسے جھپٹے کہ دم کی دم میں وہ خاک اور خون میں لتھڑا پڑا تھا، ایک دوسرے مسلمان نے جا کر اس کا سر کاٹ لیا،

عتبہ اور ابوجہل کا مارا جانا تھا کہ قریش ہار کر بھاگنے لگے، اور

مسلمانوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا، قریش کے ستر آدمی جو مکہ کے بڑے بڑے رئیس تھے مارے گئے، اور اتنے ہی آدمی گرفتار ہو گئے، اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ بہادروں نے شہادت پائی،

خدا کی عجیب قدرت ہے کہ تین سو تیرہ آدمیوں نے جو ہتھیاروں سے بھی پوری طرح سجے نہ تھے، ایک ہزار کی فوج کو ہرا دیا، یہ سچ اور جھوٹ اور اندھیرے اور اجالے کی لڑائی تھی، سچ کی جیت ہوئی، اور جھوٹ کی ہار، اندھیرا چھٹ گیا اور اجالا چھا گیا،

دشمنوں سے برتاؤ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے بڑا اچھا برتاؤ کیا، مسلمان ان کو کھانا کھلاتے تھے، اور خود کھجور کھا لیتے تھے، جن کے پاس کپڑے نہیں تھے، ان کو کپڑے دیئے، قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمر پکڑ کر آیا تھا، یہ بڑا زور آور مقرر تھا، عام مجمعوں میں مسلمانوں کے خلاف تقریریں کرتا، اور لوگوں کو ابھارتا تھا، بعض صحابیوں نے کہا، یا رسول اللہ اس کے دانت اکھڑوا لیجئے، کہ پھر اچھی طرح بول نہ سکے، آپؐ نے اس رائے کو ناپسند کیا، اور فرمایا، اگر میں اس کے جسم کا حصہ بگاڑ دوں تو گو نبی ہوں، مگر خدا اس کے بدلہ میں میرے جسم کا کوئی حصہ

بھی بگاڑے گا۔ بعض پرجوش صحابی چاہتے تھے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، مگر آپؐ نے ان کی بات بھی نہیں مانی، اور یہ طے کیا کہ ان میں جو امیر ہیں، وہ فدیہ دے کر چھوٹ جائیں اور جو غریب ہوں، لیکن لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، اور جو یہ بھی نہیں جانتا تھا، وہ خدا کی راہ میں آزاد کر دیا گیا،

بدر کی جیت نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا، اب وہ صرف ایک مذہب اور ایک الٰہی نظام کے داعی ہی نہ تھے بلکہ ایک اٹھتی ہوئی سیاسی قوت تھے، جن کا مقصد نہ صرف عرب کی چھوٹی چھوٹی سیکڑوں بے نظام ریاستوں کی جگہ ایک مضبوط اور باقاعدہ حکومت کھڑی کرنا، بلکہ قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کو مٹا کر دنیا میں عدل و انصاف اور برابری اور مساوات کی سلطنت قائم کرنا تھا

قریش کا بڑا زور ٹوٹ گیا، مکہ کے اکثر رئیس مارے گئے، ان کی جگہ اب سب کا رئیس ابوسفیان بنا، اس فتح نے منافقوں کے دل بھی دھڑکا دیئے، ان کو پتہ چل گیا کہ اب ترازو کا کون پلڑا بھاری ہو رہا ہے، ادھر یہود بھی ہشیار ہو گئے اور ان کو یہ ڈر ہونے لگا کہ اب جلد ہی اس نئی طاقت کا سر کچل نہ دیا گیا تو ان کا کہیں ٹھکانا نہیں،

بدر کا انتقام بدر کی لڑائی تو ایک حضرمی کے خون کے لئے کھڑی کی گئی تھی، اب قریش کو اپنے ستر مقتولوں کے خون کے بدلہ کا خیال ہوا، بدر میں جو مارے گئے تھے، ان کا ماتم ہو رہا تھا، مرثیے پڑھے جاتے تھے، سازشیں کی جاتی تھیں، کہ مسلمانوں سے اس کا بدلہ کیونکر لیا جائے، ابوسفیان نے جو اب مکہ کا رئیس تھا، قسم کھائی تھی کہ جبتک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لیگا، دنیا کا لطف نہیں اٹھائے گا، بدر کے تین مہینوں کے بعد اس نے اپنی قسم اس طرح پوری کی کہ دو سو شتر سواروں کو لے کر مدینہ کے آس پاس گیا، اور یہود سرداروں سے بات چیت کی، یہود نے اس کو مدینہ پر حملہ کے بھید بتائے، صبح کو واپس ہوتے ہوئے ایک مسلمان کو قتل کیا، اور مسلمانوں کے چند مکانوں اور گھاس کے ڈھیر میں آگ لگا دی، مسلمانوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے مگر وہ نکل چکا تھا، اس واقعہ کو غزوۂ سویق (ستو والی لڑائی) کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان کے ساتھیوں کا توشہ اس سفر میں سویق یعنی ستو تھا جس کو گھبراہٹ میں وہ پھینکتے گئے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ادھر سے اطمینان ہوا تو ایک گھریلو کام کے کرنے کا خیال آیا، یہ حضرت فاطمہؓ زہراؓ کے نکاح کی تقریب تھی، اور وہ بھی رسم و رواج کی ایک بہت بڑی اصلاح تھی،

حضرت فاطمہ زہراؓ کا نکاح
ذی الحجہ سنہ ۲ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے
چہیتی اور صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں، آپؐ کو اپنی سب
اولادوں سے زیادہ ان سے محبت تھی، اور وہ بھی اپنے پیارے
باپؐ پر فدا رہتی تھیں آپؐ کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی تو وہ بے چین
ہو جاتی تھیں، نیکی اور پاکیزگی میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں، اب
وہ جوان ہو چکی تھیں، اٹھارہ سال کی عمر تھی، شادی کے پیغام
آنے لگے تھے، مگر حضورؐ کے دل میں کچھ اور ہی بات تھی، یہ خیال تھا،
کہ اس کے لئے ایسا ہی جوڑ کا لڑکا بھی ملے، یہ حضرت علیؓ تھے، جو
حضورؐ ہی کے سایہ میں پلے تھے، حضرت علیؓ نے اپنی درخواست پیش کی،
تو وہ گویا پیش ہونے سے پہلے منظور ہو چکی تھی، حضرتؐ نے بی بی فاطمہؓ
سے دریافت کیا، تو وہ چپ رہیں، یہ گویا رضامندی کا اظہار تھا، پھر
حضرت علیؓ سے پوچھا، کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کیا ہے، بولے
کچھ نہیں، فرمایا وہ زرہ کیا ہوئی جو بدر میں ہاتھ آئی تھی، عرض کی
وہ تو موجود ہے، آپؐ نے فرمایا، وہ بس ہے،

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خیال ہوگا کہ یہ زرہ بڑی قیمتی
چیز ہوگی، لیکن یہ سن کر ان کو تعجب ہوگا کہ وہ صرف سوا سو روپے

کی تھی، زرہ کے سوا بدن کے اس بہادر کی جو ملکیت تھی، وہ یہ تھی بھیڑ کی ایک کھال اور ایک پرانی یمنی چادر، یہی وہ سرمایہ تھا جو دولھا نے دولہن کی نذر کیا، ایک صحابی نے اپنا ایک خالی مکان دولھا دولہن کے رہنے کو پیش کیا، جس کو آپؐ نے قبول فرمایا،

بزرگ باپؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا، وہ بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے تھے،

دولھا دلہن جب نئے گھر میں جالئے، تو حضورؐ دیکھنے تشریف لے گئے، پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی پھر اندر گئے، ایک برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے، اور ہاتھ نکال کر دونوں پر وہ پانی چھڑکا، اور بیٹی سے فرمایا، بیٹی! میں نے تمہارا نکاح خاندان کے سب سے بہتر شخص سے کیا ہے،

اللہ اکبر! کیا سادگی اور بے تکلفی کی تقریب تھی، مسلمانوں کی خوشی کے مراسم کے لئے اس سے بہتر کوئی نمونہ ہو سکتا ہے؟ یہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کی مثال پیش کی ہے،

روزہ

رمضان نماز کے بعد اس سال روزہ کی دوسری عبادت فرض ہوئی، اور اس کے لئے رمضان کا مہینہ چنا گیا، کیونکہ یہ وہی پاک مہینہ تھا، جس کی ایک رات میں خدا کا پیغام اس خاص بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حرا کے غار میں اترا تھا، اس یادگار میں یہ مہینہ عزت اور حرمت کا مہینہ مقرر ہوا، اور اس میں اسی طرح دن گذارنے کا حکم ہوا جس طرح اس برگزیدہ نبیؐ نے ان دنوں حرا میں دن گذارے تھے، یعنی دن کو کھانے پینے سے پرہیز اور رات کو خدا کی عبادت،

عید ہر شریعت نے اپنے لئے تہوار کا کوئی دن، اپنی خوشی اور مسرت کے لئے مقرر کیا ہے، اسلام نے اس کے لئے رمضان کے روزہ کے بعد شوال کی پہلی کو عید کا دن مقرر کیا، اس میں عید کی دو رکعت نماز پڑھنے کو بتایا، تاکہ خدا کے سامنے سب کھڑے ہوکر قرآن کی نعمت اور اسلام کی دولت ملنے پر خدا کا شکر ادا کریں اور اس لئے تاکہ اس خوشی کے دن کوئی بھائی بھوکا نہ رہے، یہ انتظام کیا گیا، ہر مقدرت والے پر فطر کا صدقہ واجب کیا گیا، یہ پہلا موقع

تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک میدان میں عید کی نماز ادا کی، نماز کے بعد خطبہ دیا، جس میں فطر کے صدقہ کی خوبیاں بیان فرمائیں،

یہ عید کی نماز مسلمانوں کی معاشرتی مساوات اور مذہبی خوشی کا سالانہ مظہر ہے

اُحد کی لڑائی
شوال ۳ھ

مکہ میں بدر کے بدلہ لینے کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، ابوسفیان نے اس جوش سے فائدہ اٹھایا، قریش کا تجارتی سرمایہ لڑائی کے خرچ کے لئے منظور ہوا، عربوں کے بھڑکانے اور جوش دلانے کا سب سے کام کا ہتھیار شاعری تھی، قریش کے دو شاعروں نے اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا، ان میں سے ایک وہی تھا جو بدر میں قید ہو چکا تھا مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و کرم سے رہا ہو گیا تھا، ان دونوں نے قریش کے قبیلوں میں جا جا کر اپنے بیان کی گرمی سے آگ لگا دی،

قریش کے شریف گھرانوں کی بی بیوں نے بھی سپاہیوں کے دل بڑھانے کا کام کیا، بڑے بڑے گھرانوں کی بی بیاں جن کی سردار ابوسفیان کی بی بی ہند تھی، اپنے گانوں سے قریش سپاہیوں کی رگوں

میں شجاعت اور مردانگی کے خون دوڑانے کے لئے سفر کو آمادہ ہوئیں، ہندؔ کا باپ عتبہؔ اور جبیرؔ بن مطعم کا چچا دونوں بدرؔ کے میدان میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، ہندؔ نے جبیرؔ کے حبشی غلام وحشی کی آزادی کی قیمت حضرت حمزہؓ کا سر مقرر کیا تھا،

مکہؔ میں یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، مگر ابھی تک مدینہؔ میں اس کی خبر نہ تھی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے، ایک تیز چلنے والے آدمی کو بھیج کر مدینہ میں خبر کی، اتنے میں خبریں ملیں کہ قریشؔ کی فوج دھاوا کرکے مدینہؔ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ آپؐ نے کچھ مسلمانوں کو پہرہ کے کام اور دشمنوں کی دیکھ بھال پر مقرر کیا، صبح ہوئی تو مشورہ طلب کیا، اکثروں نے یہ رائے دی کہ عورتوں کو باہر کے قلعہ میں بھیج دیا جائے، اور مرد آبادی میں ٹھہر کر دیواروں کی آڑ لے کر دشمنوں کا سامنا کریں، منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول نے بھی یہی رائے دی، لیکن نوجوان مسلمانوں نے جو جوش میں بھرے ہوئے تھے، اس پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر میدان میں مقابلہ کیا جائے، اس قرارداد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے، اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اور دوسرے مسلمانوں نے بھی تیاری شروع کر دی ؎

قریش نے مدینہ کے پاس پہنچکر اُحد پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا، اور دو دن یہاں جمے رہے، تیسرے دن جمعہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار مسلمانوں کو ساتھ لیکر باہر نکلے، ان میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بھی تین سو آدمی تھے، لیکن وہ یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا، کہ محمد نے میری رائے نہ مانی اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے، جن میں سے صرف سو آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں،

اس لڑائی میں شرکت کی اجازت پانے کے لئے بعض کم سن نوجوان مسلمانوں نے عجیب وغریب جوش دکھایا، رافع بن خدیج سے جب یہ کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے، سچ ہے قوم کی زندگی کی آگ نوجوانوں کے ہی جوشِ عمل کے ایندھن سے جلتی ہے۔

مسلمانوں نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صف درست کی، پہاڑ میں ایک درہ (گھاٹی) تھا، جدھر سے ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آکر حملہ نہ کر دیں، اس لئے پچاس اچھے تیر چلانے والوں کا ایک دستہ اس کی حفاظت کے لئے مقرر کیا، اور سمجھا دیا کہ "لڑائی میں ہماری جیت بھی ہو رہی ہو تو بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں،

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ قریش کی شریف بیویاں دف پر فخر کے شعر اور بدر کے مقتولوں کا درد بھرا مرثیہ پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں، پھر قریش کے لشکر کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا، علیؓ مرتضیٰ نے اس کا جواب دیا، اور بڑھ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، اس کے بعد اس کے بیٹے نے جرأت کی، اور آخر حضرت حمزہؓ کی تلوار نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دجانہؓ انصاری فوجوں کے دل میں گھس گئے اور دشمنوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں،

حضرت حمزہؓ دونوں ہاتھوں میں تلوار لئے لاشوں پر لاشیں گراتے جا رہے تھے، جبیرؓ کا حبشی غلام وحشی جس سے ہندنے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہؓ جیسے ہی اس کی زد میں آئے، اس نے حبشیوں کے ایک خاص انداز سے جس میں ان کو پوری مہارت ہوتی ہے، ایک چھوٹا سا نیزہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا، اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر پلٹ کر حملہ کرنا چاہا، مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی،

حق اور باطل کی کیسی عجیب لڑائی تھی، باپ اپنے بیٹے اور

بیٹا اپنے باپ کے مقابل تلوار تول رہا تھا، حنظلہؓ ایک صحابی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، انھوں نے اپنے باپ کے مقابلہ میں جانے کی اجازت چاہی، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی،

مسلمان بہادر ایمان کے جوش میں چور تھے، وہ کافروں کو ہر طرف سے دبائے بڑھے جا رہے تھے، آخر ان کے بے پناہ حملوں سے دشمنوں کے پانوں اکھڑ گئے، اب مسلمانوں نے دشمنوں کے بجائے ان کے مال و اسباب کی لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیر چلانے والوں نے جو درہ کے پہرہ پر تھے، اپنی چوکی چھوڑ دی، ان کے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے کتنا ہی ان کو روکا، مگر وہ یہ جان کر کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے، وہ بھی لوٹ مار میں شریک ہو گئے، خالد جو بعد کو اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار ثابت ہوئے، اس وقت مکہ کی فوج میں تھے، ان کی جنگی نظر سے دشمنوں کی یہ کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی تھی، وہ سواروں کا ایک دستہ لے کر درّہ سے ہو کر آگے بڑھے، عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جم کر سامنا کیا، اور سب کے سب شہید ہو گئے، خالد نے اب آگے بڑھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا، مسلمان لوٹنے میں مصروف تھے، مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں، بدحواسی کا عالم ہوا کہ مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، مصعب

ابنؓ عمیر جو مسلمانوں کے علم بردار اور صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے، وہ ایک کافر کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، اس پر کافروں نے غل مچا دیا کہ محمدؐ نے شہادت پائی، اس آواز سے مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے، ان کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں، کافروں کا سارا زور ادھر تھا جدھر حضورؐ تھے، صفوں کی بے ترتیبی سے آپؐ تک پہنچنے کے لئے دشمنوں کا راستہ بالکل صاف تھا، صرف گیارہ جان نثار پروانوں کی طرح شمع نبوت کے ارد گرد تھے، ان میں سے علیؓ مرتضیٰ، ابوبکرؓ صدیق، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیرؓ اور طلحہؓ کے نام مہاجروں میں اور ابو دجانہؓ کا نام انصاریوں میں معلوم ہے، باقی صحابہ کو آپؐ کی کچھ خبر نہ تھی، یکایک آپؐ کو ایک صحابی نے دور سے پہچانا، اور پکارا، مسلمانو! رسول اللہ یہ ہیں یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، اور آپؐ کو دائرہ میں لے لیا، کفار نے ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا، دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا، لیکن ذوالفقار[1] کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا تو فرمایا، کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ دفعتہً سات انصاری ایک کے بعد ایک بڑھے، اور

[1] یہ حضرت علیؓ کی اس تلوار کا نام تھا جو ان کو بدر میں ملی تھی،

ایک ایک نے لڑکر جانیں دیں، ابودجانہؓ انصاری جھک کر سپر بن گئے، جو تیر آتے ان کی پیٹھ پر لگتے، طلحہؓ نے تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکا، حضرت سعدؓ آپؐ کی طرف سے تیر چلا رہے تھے، ابو طلحہؓ نے سپر سے آپؐ کے چہرۂ مبارک کا اوٹ کرلیا تھا، آپؐ گردن نکال کر لڑائی کا منظر دیکھنا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ آپؐ گردن نہ اٹھائیں، کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ حاضر ہے، اسی حال میں قریش کا ایک شقی جو بڑا بہادر کہلاتا تھا، جان نثاروں کے دائرہ کو توڑ کر آگے بڑھا، اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری، جس کی چوٹ سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، ام عمارہؓ صحابیہ نے اس کے تلوار ماری جو اس کی زرہ میں اچٹ کر رہ گئی، کسی کافر نے دور سے کوئی پتھر پھینکا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر آ کر لگا، جس سے آگے کے دو دانت شہید ہو گئے، اسی حالت میں آپؐ کی زبان سے یہ اثر میں ڈوبا ہوا فقرہ نکلا، جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا "اے خدا میری قوم کے قصوروں کو معاف کر کہ وہ نادان ہیں"۔

اس کے بعد چند ثابت قدم صحابیوں کے ساتھ آپؐ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، ابوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند ہمراہیوں نے پتھر برسائے، جس سے وہ آگے

نہ بڑھ سکا، لیکن سامنے کی دوسری پہاڑی پر چڑھ کر اس نے ہبل دیوتا کی جے پکاری، حضرت عمرؓ نے اس کے مقابلہ میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا

آپؐ کی وفات کی غلط خبر مدینہ تک پھیل گئی، حضرت فاطمۃؓ زہرا خدا جانے کس طرح بے تابانہ باپؐ کے قدموں تک پہنچ گئیں، چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا، حضرت علیؓ سپر میں پانی بھر کر لائے، حضرت فاطمہؓ زخموں کو دھوتی تھیں، مگر خون نہیں تھمتا تھا آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھ دیا، جس سے خون تھم گیا،

اس لڑائی میں ستر مسلمان مارے گئے، شہیدوں میں سب سے بڑی ہستی حضرت حمزہؓ کی تھی، حضورؐ پر اس کا بڑا اثر تھا، مگر مجال کیا تھی جو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا، اتنا فرمایا کہ "آہ! حمزہؓ پر کوئی رونے والا بھی نہیں!" انصار نے سنا تو اپنی عورتوں کو ہدایت کی کہ پہلے حمزہؓ کا ماتم کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو فرمایا "تمہاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن مردوں پر رونا جائز نہیں"۔

قریش کی عورتوں نے، اور خاص کر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے مسلمان لاشوں سے بے ادبی کر کے اپنے دل کا بخار نکالا، ان کے ناک کان کاٹ لئے اور انکو پھولوں کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا، ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا، اور جگر نکال کر چبایا، مگر نگل نہ سکی، پھر

ایک بلندی پر چڑھ کر چند اشعار گائے کہ آج بدر کا بدلہ ہو گیا،

اس لڑائی میں یہودیوں کے ڈر سے مسلمانوں نے اپنی بیویوں بچوں اور کمزوروں کو قلعہ میں رکھ دیا تھا، مگر جو بی بیاں بہادر تھیں، وہ میدان میں موجود تھیں، پڑھ چکے کہ حضرت فاطمہؓ زہرا، باپؐ کی مرہم پٹی کر رہی تھیں، اور حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلیطؓ اور حضرت ام سلیم اپنے کندھوں پر مشک بھر بھر کر لاتی تھیں، اور زخمیوں کو پلاتی تھیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادہ زبیرؓ سے بلا کر کہا کہ وہ حضرت حمزہؓ کی لاش جو ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی، نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آکر یہ کہا تو بولیں، میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، تو لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے، لیکن إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے سوا ان کی زبان سے اور کچھ نہیں نکلا،

ایک انصاری بی بی کے باپ، بھائی اور شوہر تینوں اس لڑائی میں مارے گئے تھے، وہ حال جاننے کے لئے بے قرار ہو کر گھر سے

نکلیں، باری باری ان تینوں سخت حادثوں کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی ہے، لیکن وہ ہر بار یہی پوچھتی ہیں، کہ ہمارے رسولؐ کیسے ہیں؟ جواب ملا خیریت سے ہیں، ان کو تسکین نہ ہوئی، پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا، تو پکار اٹھیں، آپؐ خیریت سے ہیں تو اور مصیبتیں کچھ نہیں،

شہیدوں کے کفن کے لئے بھی غریب مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا، مدینہ کے پہلے امام اور مبلغ مصعبؓ بن عمیر کا جنازہ تیار تھا، ان کے کفن کا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ ان کا سر چھپایا جاتا، تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا، آخر سر چھپا کر پاؤں پر گھاس ڈال دی گئی، یہ وہ منظر تھا کہ بعد کو بھی مسلمان جب اس واقعہ کو یاد کرتے تھے تو رو دیتے تھے، شہیدوں کو نہلائے بغیر اسی طرح خون سے رنگین قبروں میں اتارا گیا، اور بیکسی اور مظلومی کے یہ مجسمے زمین کے سپرد کر دیئے گئے،

مسلمانوں کو اس لڑائی میں گو جانوں کا بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا، لیکن جنگی نقطۂ نظر سے ان کی شکست ناتمام رہی تھی، ڈر تھا کہ ابوسفیان کو اس کا خیال آیا تو ایسا نہ ہو کہ دوبارہ حملہ کر دے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں اس کا پیچھا کرنا ضروری سمجھا، اس میں یہ بھی مصلحت تھی کہ آس پاس کے قبیلے ایسا نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کا زور

ٹوٹ چکا، اب جو چاہے اُن پر حملہ کر سکتا ہے، بہت سے مسلمان زخموں سے گو چور تھے، مگر جس وقت آپؐ نے خدا کا یہ حکم سنایا، ستر مسلمانوں نے اِس کام کے لئے اپنے کو پیش کیا، جن میں حضرت ابو بکرؓ اور زبیرؓ بھی تھے،

ابو سفیان کو کچھ دور نکل جانے کے بعد خیال آیا کہ اس کا کام ادھورا رہ گیا لیکن خزاعہ کے رئیس معبد تے جو در پردہ مسلمانوں کے ساتھ تھا، اور شکست کی خبر سُن کر مدینہ آیا تھا، واپس جا کر ابو سفیان سے کہا، کہ میں دیکھتا آتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سرو سامان سے تمہارے پیچھے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے، یہ سُن کر ابو سفیان مکہ کو چلا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمرا، پہنچکر مدینہ واپس چلے آئے،

یہودی خطرہ کو مٹانا

مدینہ میں اسلام کے لئے یہ تیسرا خطرہ تھا، اور یہ سب سے بڑھ کر تھا، کیونکہ یہود دولت میں، تجارت میں، اور جنگی مہارت میں عربوں سے بڑھ کر تھے، ان کا سلسلہ حجاز سے لے کر شام کے حدود تک پھیلا تھا، ان کے بیوپار اور کاروبار کے سبب سے سارے عرب پر ان کا اثر تھا اور وہ عرب میں مذہبی روایات اور علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، مدینہ اور اس کے پاس کے شہروں اور آبادیوں میں ان کو

اپنی دولت، وجاہت اور تجارت کی وجہ سے بڑی قوت حاصل تھی، اور سب ان کے سرمایہ داری کے بوجھ کے نیچے دبے تھے، اوس اور خزرج کے کسان اور مزدور جو پیدا کرتے تھے، وہ سب ان کے قلعوں اور کوٹھیوں کے نذر ہو جاتا تھا، عربوں کی ملکیت یہودیوں کے ہاتھوں گرو رہتی، اور اس لئے وہ اپنی محنت کا پھل نہیں پاتے تھے، یہودیوں کا ایک قبیلہ جو بنی قینقاع کہلاتا تھا، وہ سونے، چاندی اور سوناری کا کام کرتا تھا، اور مدینہ کے قریب ہی رہتا تھا، ان کا دوسرا قبیلہ بنی نضیر تھا، اور تیسرا بنی قریظہ کہلاتا تھا، انھوں نے ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، ساری آبادی ان کے قرضوں سے زیر بار تھی اور چونکہ اکیلے وہی دولت کے مالک تھے، اس لئے بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے، اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ عورتوں کو رہن رکھوانے تھے،

جب اسلام کا مرکز مکہ سے ہٹ کر مدینہ چلا آیا تو یہودی جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے، پہلے پہلے بہت خوش ہوئے، کیونکہ اسلام جو کچھ کہتا تھا، وہ سب ان کی کتابوں میں تھا، وہ ان کی آسمانی کتابوں کی تائید اور ان کے پیغمبروں کی تصدیق کرتا تھا، اور اس سے ان کو یہ امید تھی کہ عربوں کی یہ نئی تحریک ان کے اقتدار کو او

بڑھ جائے گی، اور اس لئے وہ اسلام سے اتحاد اور معاہدہ کے لئے آگے بڑھے، اور دشمنوں کے حملہ کی صورت میں مدینہ کے بچاؤ کا قول و قرار کیا، اور سمجھے کہ عربوں کی یہ نئی طاقت یہودیوں میں جذب ہو کر رہ جائے گی

لیکن ان کو سال کے اندر ہی اندر یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ نئی تحریک ایک مستقل طاقت ہے، جس کو اگر پہلے ہی کچل نہ دیا گیا، تو ان کے سارے اقتدار اور بیوپار کا خاتمہ کر دے گی، اب یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کی طرف اس لئے بڑھتے کہ وہ انہی کے اصلی دین کو لے کر آیا تھا، وہ رُکنے لگے، اس پر بیجا اعتراضوں کی بھرمار کرنے لگے، سامنے کچھ اور پیچھے کچھ کہتے، اور پورا زور لگاتے کہ اسلام کی طرف سے لوگوں کے دل پھر جائیں، مگر اس میں ان کو کامیابی نہیں، بلکہ خود یہودیوں سے جو لوگ کچھ بھی حق اور انصاف چاہتے تھے، کھلم کھلا مسلمان ہو گئے، اور کچھ نے مسلمان ہو کر اپنی دولت بھی اسلام کی راہ میں دے دی،

یہ صورتِ حال تھی کہ قریش اور مسلمانوں میں لڑائی کے آثار ظاہر ہونے لگے، اب انھوں نے قریش سے اور قریش نے ان سے ساز باز شروع کی، ایک ہی سال کے بعد بدر کا واقعہ پیش آیا، اور مسلمانوں نے فتح پائی، یہ یہودیوں کے لئے خطرہ کی گھنٹی تھی، وہ چوکنے ہو گئے، اور کیل پرزہ سے درست ہونے لگے، مسلمانوں نے

یہ دیکھا تو ان کو سمجھایا، اور ان کو ان کا قول وقرار یاد دلایا، اور نہ ماننے کی صورت میں دھمکی دی کہ جو قریش کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا، یہودیوں نے کہا، ہم کو قریش نہ سمجھنا، وہ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے، ہمارے پاس لڑائی کے پورے سامان اور ہتھیار ہیں، اور ہمارے بڑے بڑے قلعے ہیں، ان قلعوں سے سر ٹکرانا آسان نہیں،

یہودیوں کو معلوم تھا، کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری طاقت کا راز مدینہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کا اسلام کے جھنڈے تلے آکر ایک ہوجانا تھا، انھوں نے یہ کیا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان دونوں کی آپس کی لڑائیوں کا جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے خلاف لڑے تھے، تذکرے چھیڑنے لگے، تاکہ دونوں کی عداوت کے پرانے جذبے ابھریں، اور ان کے اسلام کے اتحاد کا رشتہ ٹوٹ جائے، ایک دفعہ ان کی اسی چال سے یہاں تک ہوا کہ یہ دونوں قبیلے بھڑکنے مرنے کو تیار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آکر دونوں کو سمجھایا، اور اس طرح یہ فتنہ دبا،

مدینہ میں منافقوں کا جو گروہ تھا اس کا یہودیوں سے میل تھا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کا ساتھی تھا،

یہودیوں میں سب سے لڑاکا اور بہادر قبیلہ بنی قینقاع تھا،
بدر کی فتح نے اس کو چونکا دیا، اس نے چاہا کہ شروع ہی میں اسلام کی
طاقت کو اُبھرنے سے روکا جائے، چنانچہ یہود اور مسلمانوں میں صلح
کا جو قول و قرار ہوا تھا، اس کو توڑ کر اسی نے پہلے شرارت کی پہل کی،

بنی قینقاع سے لڑائی شوال سنہ ۲ھ میں ایک اتفاقی
شوال سنہ ۲ھ واقعہ نے چنگاری کو اور بھڑکا
دیا، ایک مسلمان بی بی بنی قینقاع کے محلہ میں کسی کام سے ان کی دوکان
میں گئی، انھوں نے اس کو چھیڑ کر بے حرمت کیا، یہ دیکھ کر ایک مسلمان آپے
سے باہر ہو گیا، اور اس یہودی کو مار کر گرا دیا، یہودیوں نے اس مسلمان
کو مار ڈالا، اس واقعہ نے ایک بلوہ کی صورت اختیار کر لی، مسلمانوں
نے پہلے ان کو بہت سمجھایا، مگر ان کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں
پر اتنا ناز تھا کہ وہ صلح پر تیار نہیں ہوئے، اب مسلمانوں نے ان کو
بغل کا گھونسہ سمجھ کر سب سے پہلے ان سے نپٹنا ضروری سمجھا،
لڑائی کا اعلان ہوا تو بنی قینقاع نے اپنا قلعہ بند کر کے مقابلہ کیا،
مسلمانوں نے ان کے قلعہ کو گھیر لیا، اور پندرہ دن تک گھیرے رہے
مسلمانوں کی یہ طاقت دیکھ کر قلعہ والے گھبرا گئے، اور آخر اس پر راضی
ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں وہ ہم کو منظور ہے،

عبداللہ بن ابی نے جو ان کا حلیف تھا آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، کہ ان کی اتنی ہی سزا بہت ہے کہ وہ یہاں سے نکال دیئے جائیں، آپؐ نے منظور فرمایا، اور بنی قینقاع بھی اس پر رضامند ہو گئے اور اپنی ساری زمین اور جائداد چھوڑ کر شام کے ملک میں چلے گئے،

مسلمان مبلّغوں کا بیدردانہ قتل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دین لے کر آئے تھے، اس کے لئے لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر یہاں تک جو حال پڑھ آئے ہو، ان سے سمجھ گئے ہو گے، کہ جاہل اور نادان عرب کسی طرح مسلمانوں کو صلح اور امن وامان سے رہنے نہیں دیتے تھے، پہلے تو اکیلے قریش سے لڑائی تھی، اب آہستہ آہستہ یہ آگ اور جگہ بھی پھیلتی جاتی تھی، اور نجد تک پہنچ چکی تھی، انہی خطروں میں گھر کر جس طرح بن پڑتا تھا، مسلمان اس دین کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کر رہے تھے، اور اب یمن کے کناروں اور بحرین کے علاقوں تک بھی یہ تعلیم چپکے چپکے قبول کی جا رہی تھی،

صفر سنہ ۴ھ میں قبیلہ کلاب کے رئیس نے خواہش کی کہ چند مسلمان داعیوں کو میرے ساتھ کر دیجیے، کہ وہ میری قوم میں جا کر اسلام کو پھیلائیں،

اور لوگوں کو مسلمان بنائیں، آپؐ نے فرمایا، مجھے نجد کی طرف سے ڈر ہے
اس نے کہا، "ان کا میں ضامن ہوں"۔ اس پر اعتبار کر کے آپؐ نے ستّر
انصاری مبلغوں اور معلموں کو اس کے ساتھ کر دیا، بنی سلیم کے علاقہ
میں معونہ نام ایک کنوئیں کے پاس پہنچکر اس نہتے دستہ نے جس کا مقصد
امن و سلامتی کی اشاعت کے سوا اور کچھ نہ تھا، پڑاؤ کیا، اس اطراف
کے رئیس عامر بن طفیل نے آکر ایک کے سوا سب کو گھیر کر قتل کر دیا،
یہ ایک عمرو بن امیہ تھے، جنھوں نے مدینہ آکر اپنے ساتھیوں کی مظلومی
کی کہانی سب کو سنائی۔

انھی دنوں میں عضل اور قارہ کے چند آدمی آپؐ کی خدمت
میں آئے، کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، آپؐ چند مسلمانوں
کو ہمارے ساتھ کر دیجئے جو ہمارے ہاں جا کر ہم کو اسلام کی باتیں سکھائیں
آپؐ نے دس آدمی ساتھ کر دیئے، جب یہ نہتا قافلہ رجیع کے مقام
پر پہنچا تو ان ظالموں نے اپنا عہد توڑ دیا، بنی لحیان کے دو سو (۲۰۰) تیر
چلانے والوں نے ان کو گھیر لیا، یہ چند گنتی کے مسلمان ایک ٹیکرے
پر چڑھ گئے، اور دو کے سوا سب خدا کی راہ میں مارے گئے، جو
دو بچ گئے، وہ خبیبؓ اور زیدؓ تھے، ان کو انھوں نے پکڑ کر مکہ
لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا، خبیبؓ نے احد کی لڑائی میں حارث

ابن عامر کو مارا تھا، اس لئے حارث کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا اور
اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو سولی دیکر مار ڈالا، سولی پانے سے پہلے
اُنھوں نے اپنے قاتلوں سے اجازت مانگی کہ وہ دو رکعت نماز
پڑھ لیں، انھوں نے اس کی اجازت دی، تو انھوں نے دو رکعت
نماز ادا کی، اور اس وقت سے یہ مسلمان شہیدوں کی رسم قرار پا گئی،
سولی پاتے وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا،

"جب میں اسلام کی راہ میں مارا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی
پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر مارا جاؤں گا"

زیدؓ کو ایک دوسرے قریشی نے اس لئے خریدا تھا کہ مکہ کے
تماشائیوں کے سامنے اس کے قتل کا رنگین تماشا دکھائے گا، جب
قاتل تلوار لے کر آگے بڑھا، تو ابوسفیان نے پوچھا، سچ کہنا اگر اس وقت
تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو تم خوش نہ ہوتے،
بولے، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں کو کانٹوں سے
بچانے میں میری جان بھی کام آتی تو میری سعادت تھی، اس فقرہ
کے ساتھ ایک تلوار گری، اور ان کا سر دھڑ سے الگ تھا، اللہ اکبر!
ان خدا کے بندوں پر حق کا نشہ کیسا چھایا تھا،

ابن ابی الحقیق کا خاندان یہودیوں میں ابن ابی الحقیق کا

خاندان سب سے دولت مند تھا، بڑے بڑے یہودی عالم اس کے گھر سے تنخواہیں پاتے تھے، اسلام کی دشمنی میں اس خاندان کے کئی بڑے بڑے لوگ سب سے آگے تھے، کعب بن اشرف اس خاندان کا نواسہ تھا، اس کا باپ عرب اور ماں اس خاندان کی یہودن تھی، اس لئے عربوں اور یہودیوں دونوں میں اس کا اثر تھا، اس کے سودی کاروبار کا یہ حال تھا کہ وہ عربوں کے بال بچوں اور بیویوں تک کو قرض میں گرو رکھتا تھا، بدر کا واقعہ پیش آیا تو اس کو رنج ہوا، شاعر بھی تھا، اس نے اس واقعہ پر پُراثر شعر لکھے، اور خود مکہ جاکر قریش کے سرداروں سے ملا، اور ان کو بدر کا بدلہ لینے پر تیار کیا، مدینہ واپس آیا تو شریف انصاری بی بیوں کے نام لے کر اپنے شعروں میں ان سے عشق کا اظہار کرتا، اس سے انصار میں برہمی پھیلی، اور آخر ایک انصاری محمد بن سلمہ نے جاکر اس کو مار ڈالا، یہ ربیع الاول ۳ھ کا واقعہ ہے، یہود کے دوسرے بڑے بڑے آدمی جو اسلام کے دشمن تھے ابو رافع سلام بن ابی الحقیق، کنانہ، ابن الربیع، اور حیی بن اخطب تھے، جو بنی نضیر میں سے تھے،

بنی نضیر کی جلاوطنی

ربیع الاول ۴ھ

بنو نضیر یہودیوں کا دوسرا طاقتور قبیلہ تھا، اب اس نے قریش سے

باز بازشروع کی، اور ان کو مدینہ کے کمزور حصّوں کی اطلاع دینے
لگے، ان سے اور مسلمانوں سے معاہدہ تھا، اس معاہدہ کی رو
سے اگر کسی مسلمان یا بنی نضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے کوئی مارا جاتا
تو دوسرے پر بھی اس کے خون کا روپیہ ادا کرنا ضروری تھا، بنی عامر
آدمی ایک جنگی غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے اتفاق سے
مارے گئے۔ حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امان نامہ
موجود تھا، ان مقتولوں کے خون کا روپیہ مسلمانوں پر واجب ہوا،
مسلمانوں نے بنی نضیر سے بھی اس میں شرکت کی خواہش کی اور
لئے رسول اللہ علیہ وسلم ان کے محلہ میں آگئے، ظاہر میں تو
انہوں نے بہت کچھ مستعدی دکھائی، اور شرکت پر آمادگی ظاہر
لیکن چھپ کر انہوں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو
ایک دیوار کے نیچے کھڑے تھے، اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر
مار ڈالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر لگ گئی اور
سے اکیلے اٹھ کر مدینہ چلے آئے،

بنو نضیر نے کہلا بھیجا کہ آپ تیس ۳۰ آدمیوں کو لے کر آئیں۔ ہم
اپنے عالموں کو لے کر آئیں گے، اگر وہ آپ کی بات مان لیں گے
ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا، آپ نے جواب دیا کہ جب تک تم ایک

عہدنامہ نہ لکھ دو، ہم کو تم پر اعتبار نہیں، لیکن وہ اس پر راضی نہ
ہوئے، یہود کا تیسرا قبیلہ جو بنی قریظہ کہلاتا تھا، آپ نے ان سے
بھی دوبارہ نئے عہدنامہ کی درخواست کی، اور اس نے قبول کیا،
اب بنی نضیر نے بھی کہلا بھیجا کہ ہم کو بھی یہ منظور ہے، کہ آپؐ تین
آدمی لے کر ہمارے ہاں آئیں، آپؐ نے منظور فرمایا، لیکن راہ میں
آپؐ کو معلوم ہو گیا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں، کہ جب آپؐ
تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں، آپؐ پھر واپس چلے آئے،

بنی نضیر بڑے بڑے قلعوں کے مالک تھے، جن پر ان کو ناز تھا
اور مدینہ کے منافق بھی اُن کو شہ دے رہے تھے، اور کہلا بھیجتے
تھے کہ تم دبنا نہیں، بنی قریظہ تمہارا ساتھ دیں گے، اور ہم بھی دو
ہزار کی جمعیت سے تیار ہیں۔

مسلمانوں کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ پیش بندی کر کے آگے بڑھے
اور بنی نضیر کے قلعہ کو گھیر لیا، اور پندرہ روز تک گھیرے پڑے رہے
آخر وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال واسباب اونٹوں
پر لے جا سکیں لے جائیں، اور مدینہ سے باہر نکل جائیں، چنانچہ سب
گھروں کو چھوڑ کر اور اپنا مال واسباب لاد کر نکل گئے، اور ان میں
سے ان کے کئی بڑے بڑے رئیس ابو رافع سلام بن ابی الحقیق

کنانہ بن الربیع اور حی بن اخطب بھی خیبر چلے گئے

خندق یا احزاب کی لڑائی

ذی قعدہ ۵ھ

بنو نضیر مدینہ سے نکلنے کو تو نکل گئے، مگر خیبر پہنچ کر انھوں نے اپنی سازشوں کا جال سارے ملک عرب میں پھیلا دیا، ان کے رئیسوں نے مکہ جا کر قریش کو تیار کیا، قبیلہ غطفان کو خیبر کی آدھی پیداوار کا لالچ دلا کر اپنے ساتھ ملایا، بنی اسد ان کے حلیف تھے، وہ بھی اٹھے غرض سب ملا کر دس ہزار کی بھاری فوج مدینہ کی سمت روانہ ہوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو مسلمانوں سے مشورہ کیا، مسلمانوں کو احد کی لڑائی کا تجربہ ہو چکا تھا، حضرت سلمان رضی فارسی چونکہ ایران کے تھے، اس لئے ایران کے جنگی طریقوں سے کچھ واقف تھے، انھوں نے رائے دی کہ شہر کے تین رخ تو مکانوں اور نخلستانوں سے گھرے ہوئے ہیں، صرف ایک طرف کھلا ہوا ہے، ادھر خندق[1] (گڑھا) کھود لی جائے، تاکہ دشمن اس سمت سے شہر میں گھسنے نہ پائیں، یہ رائے سب نے مان لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] یہ فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے،

تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ باہر نکلے، اور خندق کھودنے کی تیاری شروع کر دی، تین ہزار متبرک ہاتھوں نے بیس دن میں یہ کام پورا کیا، اور اس طرح پورا کیا کہ خود خدا کا رسول بھی ان میں ایک عام مزدور کی طرح کام کر رہا تھا، کئی کئی دن فاقے سے گذر رہے تھے۔ اس پر اسلام کے شیدائیوں کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا، ہاتھوں سے مٹی کھود تے، اور پیٹھوں پر اس کو لاد لاد کر پھینکتے تھے، اور آواز میں آواز ملا کر یہ شعر گاتے تھے،

"ہم ہیں جنھوں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس پر بیعت کی ہے، کہ جبتک جان میں جان ہے ہم خدا کی راہ میں لڑتے جائیں گے"

دشمن اب قریب آگیا تھا، اس کے قریب آنے کی خبریں سُن سُن کر بزدل منافقوں کے ہوش اڑے جا رہے تھے، جھوٹے بہانے کر کر کے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، یہود کا اب صرف ایک تیسرا قبیلہ بنو قریظہ مدینہ کے پاس رہتا تھا۔ اس کی روش صاف نہ تھی، اس لئے دو سو آدمیوں کا دستہ ان کی دیکھ بھال کے لئے الگ کر دیا گیا تھا،

بنو قریظہ اب تک کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، بنی نضیر کا یہودی سردار حیی بن اخطب جو اب خیبر جا بسا تھا، دشمنوں کی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے بنو قریظہ کے سردار کو جو مسلمانوں سے معاہدہ توڑنے

چہ اس لئے آمادہ نہیں ہو رہا تھا، کہ یہ باہر کے لوگ تو چلے جائیں گے، پھر مسلمانوں کو اکیلے ہمیں سے نپٹنا پڑے گا، یہ کہہ کر ملا لیا کہ میں اسوقت محمدؐ کے خلاف سارے عرب کو اٹھا کر لایا ہوں، ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا موقع پھر اس سے بہتر ہاتھ نہیں آئے گا، اس دلیل سے لاچار ہو کر وہ بھی دشمنوں سے مل گیا، اور حیی نے اس کو یقین دلایا کہ اگر قریش اور غطفان تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے،

کفار بیس دن تک مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے پڑے رہے، اور شہر پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے، ایک جگہ خندق کی چوڑان کم تھی، ایک دن انھوں نے بڑی تیاری کر کے اسی رخ سے حملہ کرنا چاہا۔ عمرو بن عبدود جو قریش کا سب سے بڑا بہادر تھا، گھوڑا کودا کر اس پار آگیا، ادھر سے ذوالفقار والا ہاتھ بڑھا، اور ایک ہی وار میں تلوار شانہ تک اتر آئی، حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔

حملہ کا یہ دن بڑا سخت گذرا، دشمن ہر طرف سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے، مسلمان عورتیں جس قلعہ میں محفوظ تھیں، وہ بنی قریظہ کے پاس تھا، بنو قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو ادھر پھنسے ہیں، ادھر اس خالی قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک پر

پہنچ چکا تھا، کہ حضرت زبیرؓ کی ماں صفیہؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا، اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے، اس لئے ادھر ہمت نہ کی،

محاصرہ جتنا طول پکڑتا جاتا تھا، دشمنوں کا میل ملاپ آپس میں کم ہوتا جاتا تھا، غطفان کا قبیلہ مدینہ کی کچھ پیداوار سالانہ لے کر لوٹنے پر آمادہ تھا، اس کے ایک رئیس نے جو درپردہ مسلمان ہو چکے تھے، مگر ان کا مسلمان ہونا بھی سب کو معلوم نہ تھا، قریش اور یہود سے جا کر الگ الگ ایسی باتیں کیں، جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی، خدا کا کرنا کہ انہی دنوں میں ایک رات کو ایسی تیز آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ اکھڑ گئیں، کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر الٹ الٹ جاتی تھیں، سردی میں ہوا کی اس تیز باڑھ نے بھی کفار کے دل کپکپا دئے،

ان سب باتوں نے مل جل کر ساتھی فوجوں (احزاب) کے پاؤں اکھاڑ دیئے، بنی قریظہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے، غطفان بھی روانہ ہو گئے، یہ دیکھ کر قریش بھی ناچار محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے، اور مدینہ کا کنارہ بیس بائیس دن تک غبار میں اٹ کر پھر صاف ہو گیا

بنی قریظہ کا خاتمہ

بنی قریظہ نے ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کے ساتھ جو بدعہدی کی وہ معاف کرنے کے قابل نہ تھی، حُیَی بن اخطب جو عربوں کے اس جتھے کا بانی تھا، بنی قریظہ کے ساتھ ان کی امان میں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اس متحدہ فوج کا شیرازہ بکھرتے کیساتھ ہی بنو قریظہ کی طرف رخ کیا، ان کے قلعے بند ہوگئے، مسلمان ایک مہینہ تک ان کا گھیرا کئے پڑے رہے، آخر انھوں نے یہ درخواست کی کہ ان کا معاملہ ان کے حلیف قبیلہ اوس کے مسلمان سردار سعد ابن معاذ کے سپرد کیا جائے، وہ جو فیصلہ کریں ان کو خوشی سے منظور ہوگا، سعدؓ بن معاذ خندق کی لڑائی میں ایک تیر کا زخم کھا کر نڈھال ہو رہے تھے، پھر بھی وہ آئے، ان کے قبیلہ کے لوگ یہ چاہتے تھے، کہ ان کی خطا معاف کردی جائے، مگر سعدؓ نے نہ مانا، اور یہ فیصلہ کیا کہ ان میں جو لڑنے کے قابل ہوں وہ قتل کردیئے جائیں، اور عورتیں اور بچے قید ہوں، اور مال واسباب مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے اسی فیصلہ پر عمل ہوا، اور یہود کے اس تیسرے قبیلہ کا بھی خاتمہ ہوا اور ان سرمایہ داروں کی زمینیں اور جائدادیں غریب کام

کرنے والے مسلمانوں میں بانٹ دی گئیں،

اسلام قانون کی صورت میں

اسلام جس دن سے دین بن کر آیا، اسی دن سے وہ سلطنت بھی تھا، دین اور دنیا کی الگ الگ تمیز اس کی تعلیم میں نہیں، دنیا دنیا کی زندگی ہیں خدا اور اس کی مخلوقات کے جو فرض ہم پر ہیں، ان کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہی دین ہے؛ اس لئے حکومت اور سلطنت ہمارے دین سے کوئی الگ چیز نہیں، مدینہ منورہ جیسے اسلام کا مرکز تھا، اس کی سیاسی قوت کا مرکز بھی بنتا جاتا تھا، اسلام جہاں تک پھیلتا تھا، وہاں تک اس کی حکومت کی حد بڑھ کر امن و امان قائم ہو جاتا تھا، چوریاں موقوف ہو جاتی تھیں، ڈاکے بند ہو جاتے تھے، بدکاریاں مٹ جاتی تھیں؛ اور عربوں کی بے نظام زندگی کی جگہ اسلام کی مرتب زندگی شروع ہو جاتی تھی، امام، موذن، معلم اور قاضی مقرر ہونے لگتے تھے، اور اسلامی قانون کی حکومت سب پر ایک ساتھ جاری ہو جاتی تھی،

اسلام نے شروع شروع میں صرف عقیدوں کی درستی پر زور دیا، جب یہ مقصد کچھ چل نکلا تو خدا کی عبادت وطاعت کا

سبق پڑھایا، جب طبیعتیں ادھر بھی متوجہ ہوئیں تو اسلام کا قانون اترنے لگا،

اس سے پہلے تک تو یہ حال تھا کہ باپ مسلمان تو بیٹا کافر ماں اسلام لائی ہے تو بیٹی کافرہ ہے، شوہر مسلمان ہو چکا مگر بیوی ابھی تک کفر کی حالت میں ہے، بدر کے بعد مسلمانوں میں اطمینان کی خاندانی زندگی پیدا ہونے لگی، اور لڑائیوں کے سبب سے مارے جانے والوں کی تعداد بھی بڑھی ہوگی، اس لئے ۳ھ میں وراثت کا قانون اترا لڑکیاں جو عربوں میں ترکہ پانے کا حق نہیں رکھتی تھیں، اسلام نے ان کو بھی ان کا جائز حق دیا، اب تک مشرک عورتوں سے مسلمان نکاح کر لیتے تھے، اب وہ موقع آیا کہ گھر کی اندرونی زندگی کے سکھ اور چین کے لئے ان سے نکاح ناجائز ٹھہرا،

۴ھ میں بدکاری کی روک تھام کے لئے مجرم کو پتھروں سے مار ڈالنے کا حکم جو توراۃ میں تھا، جاری کیا گیا، بعضے کہتے ہیں کہ شراب کا پینا پلانا بھی اسی سال بند ہوا،

عرب میں منہ بولے بیٹوں کا رواج تھا، جن کو متبنیٰ کہتے ہیں، اور جن کے ساتھ حقیقی بیٹوں کا معاملہ کیا جاتا تھا، اور ان کی بیویاں حقیقی بہویں سمجھی جاتی تھیں، ۵ھ میں اسلام نے اس وہمی نسب کا خاتمہ کیا، جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں بناؤ سنگار کر کے میلوں ٹھیلوں

میں اور مردوں کی محفلوں میں بے روک ٹوک آتی جاتی تھیں جن سے معاشرت کی بدنامی تھی، اسلام نے ۵ھ میں ان باتوں کی مناسب اصلاحیں کیں، گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ لیں، سینہ پر آنچل ڈالیں، گھونگھر اور بجنے والے زیور پہن کر دھماکے سے نہ چلیں مردوں سے لوچ کے ساتھ باتیں نہ کریں، کنواروں کے لئے بدکاری کی سزا سو کوڑے مقرر ہوئی، بعض قسم کی طلاقوں کی اصلاح کی گئی،

اسلام کے لئے دو روک

آج سے کچھ سال پہلے اسلام کے راستہ میں مشکلوں کا پہاڑ کھڑا تھا، لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز اخلاق اور تدبیر اور مسلمانوں کے اخلاص، ایثار اور کوششوں سے وہ ایک ایک کرکے دور ہو گئیں، اور اب اسلام کی ترقی کی راہ میں دو ہی روک رہ گئے، ایک مکہ کے مشرک اور دوسرے خیبر کے یہود، مکہ کے مشرکوں سے حضور صرف یہ چاہتے تھے، کہ وہ اسلام کو امن وامان سے آگے بڑھنے دیں، اور جو لوگ خوشی سے اس حلقہ میں آنا چاہیں ان کو یہ موقع دیا جائے، مکہ میں غریب اور کمزور مسلمان بچوں، عورتوں اور بے بس مسلمانوں کو جو نظر بند کر رکھا ہے، ان کو

مدینہ آنے دیا جائے، اور مسلمانوں کو مکہ آنے جانے اور کعبہ کے طواف اور حج کی آزادی ملے،

خیبر کے یہودیوں سے اتنا ہی چاہا جاتا تھا، کہ اگر اسلام کے دین میں آنا نہیں چاہتے تو وہ اس کی سیاسی طاقت کے آگے سر جھکا دیں تاکہ ملک میں ایک قسم کا نظام کھڑا کیا جا سکے،

حدیبیہ کی صلح

ذیقعدہ ۶ھ

مسلمانوں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مکہ جا کر خانۂ کعبہ کے طواف اور زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، جس کے دیدار سے وہ سالہا سال سے محروم کر دیئے گئے تھے، اسی ارادہ سے آپؐ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کو روانہ ہوئے، لڑائی کی نیت بالکل نہ تھی، ممانعت تھی کہ تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے، اور تلواریں بھی نیام میں ہوں، قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، اور عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ جو سفر ایسی مقدس غرض سے کیا جائے، اس میں لڑنا کیا، تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں،

جب آپؐ مکہ کے قریب پہنچے تو ایک مخبر کو حال دریافت کرنے

کے لئے مکہ بھیجا، وہ خبر لایا کہ قریش ایک بڑی جمعیت ساتھ لے کر مسلمانوں کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں، آپؐ راستہ کترا کر حدیبیہ کے مقام پر اتر پڑے، اور ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم صرف عمرہ[۱] ادا کرنے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ قریش تھوڑی مدت کے لئے ہم سے صلح کا معاہدہ کر لیں، اور مجھ کو عرب کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں،

سفیر نے قریش کے سرداروں کے سامنے جا کر یہ تقریر کی، عروہ ابن مسعود ثقفی ایک نیک دل سردار نے قریش سے کہا، کیا تمہیں مجھ سے کوئی بدگمانی تو نہیں، انھوں نے کہا نہیں، تب اُس نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ محمدؐ سے مل کر اس معاملہ کو طے کروں، لوگوں نے رضامندی ظاہر کی، تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور قریش کا پیغام سنایا، عروہ نے یہاں پہنچ کر مسلمانوں کے روحانی انقلاب کا جو تماشا دیکھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حیرت سے بھری عقیدت کا جو حال اس کے دیکھنے میں آیا، اس نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا، قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، عقیدت اور محبت کی یہ

---

۱ ایک چھوٹا حج۔

تصویر مجھ کو کہیں نظر نہیں آئی، محمدؐ بات کرتے ہیں تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے کوئی ادب سے نظر بھر کر ان کی طرف نہیں دیکھتا، وضو کرنے میں جو قطرے گرتے ہیں عقیدت مندان کو لے کر ہاتھ اور چہرہ پہ ملتے ہیں''

اس پر بھی بات نا تمام رہی، آپؐ نے پھر ایک سفیر بھیجا، قریش نے اس پر حملہ کیا، لیکن وہ بچ گیا، اب قریش نے لڑنے کو ایک دستہ آگے بھیجا، مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا، اور معافی دے دی، اور حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز کی حمایت میں مکہ گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو قید کر لیا، اور مسلمانوں تک یہ خبریں پہنچی، کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا، آپؐ نے فرمایا عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے، یہ کہہ کر ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، اور صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی، اسی کا نام ''بیعت رضوان'' ہے، یعنی ''خدا کی خوشنودی کی بیعت کیونکہ اس کے بارہ میں خدا نے قرآن میں اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی۔

بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہ تھی لیکن مسلمانوں کے اس جوش وخروش اور صداقت کا یہ اثر ہوا کہ قریش ہمت ہار گئے، انھوں نے بھی اپنا ایک سفیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس بھیجا، اور پہلی شرط یہ پیش کی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں
اور اگلے سال آئیں، اور تین دن رہ کر واپس جائیں، کچھ ردوبدل کے
بعد دس سال کے لئے لڑائی موقوف ہوئی، اور یہ شرطیں منظور ہوئیں
کہ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال تین دن کے لئے آئیں تلوار
کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو، اور تلواریں بھی میان میں ہوں، جاتے
وقت مکہ میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں،
قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے
اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا آئے، تو وہ واپس نہ کیا جائے
عرب کے قبیلوں میں سے جو جس فریق کے ساتھ چاہے معاہدہ میں شریک ہو جائے
اس معاہدہ کے بعد مسلمان مدینہ واپس چلے آئے،

اسلام کی جیت

معاہدہ کی یہ شرطیں گو ظاہر میں کڑی تھیں اور اسی لئے جوش
میں بھرے ہوئے کچھ مسلمانوں کو ان کے ماننے میں تامل ہو رہا تھا،
جب خود خدا کا رسول ان کو مان چکا تھا، تو پھر کس کو انکار کی
جرأت ہو سکتی تھی، چند ہی دنوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ شرطیں اسلام
کے حق میں بے حد فائدہ کی تھیں۔

اب تک مسلمان جس اصول کی خاطر قریش سے مقابلہ کر رہے تھے وہ یہ تھا کہ اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق ملے، اور قریش اس راہ کے روڑا نہ بنیں، قریش کو اس کے ماننے سے اب تک انکار تھا، حدیبیہ کی صلح نے اس اصول کو منوالیا، اور اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق مل گیا، اور یہی اسکی جیت تھی، خود خدا نے قرآن میں آیت اتاری

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

۶ھ

اسلام کو اپنی زندگی کے انیسویں برس یہ موقع ملا کہ وہ دنیا کو اطمینان کے ساتھ اپنا پیغام سنا سکے، اس زمانہ میں لوگ اپنے اپنے رئیسوں اور بادشاہوں کے تابع ہوتے تھے، جو وہ کرتے تھے، وہ سب کرتے تھے، اس لئے آپؐ نے ایک دن مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرکے فرمایا، لوگو! خدا نے مجھے ساری دنیا کی رحمت بناکر بھیجا ہے، اب وقت آیا ہے کہ تم اس رحمت کو دنیا والوں میں بانٹو، اٹھو! اور حق کا پیغام ساری دنیا کو سناؤ۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنے ساتھیوں میں سے چند ہوشیار مسلمانوں کو چنا، اور ان کو اسلام کی دعوت کے خط دے کر آس پاس کے رئیسوں

دربادشاہوں کے پاس بھیجا، عرب کے رئیسوں کو چھوڑ کر عرب سے ملی ہوئی بادشاہتیں یہ تھیں، حبشہ، ایران، روم اور مصر۔ حبش کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا، ایران کے شہنشاہ نے اس خط کو غصہ سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا، آپ نے فرمایا: اللہ یوں ہی اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرے گا، یہ پیشین گوئی حرف حرف پوری ہوئی، مصر کے بادشاہ نے گو اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن حضورؐ کے خط کا جواب شائستگی سے دیا، روم کا قیصر اس وقت ساری مشرقی عیسائی دنیا کا بادشاہ تھا، اس نے خط پاکر حکم دیا کہ حجاز کے سوداگر اگر کہیں ملیں تو ان کو بلاؤ، کیا عجیب بات ہے کہ اس کام کے لئے وہ شخص ہاتھ آیا، جو اس وقت اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، یعنی ابوسفیان، ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قیصر کے دربار میں حاضر کئے گئے، قیصر نے ان سے کہا، میں تم سے کچھ پوچھتا ہوں، تم میں سے ایک آدمی جواب دے اور باقی نہیں، اگر یہ کچھ غلط کہے تو تم ٹوک دو، یہ کہہ کر اس نے پوچھا اور ابوسفیان نے جواب دیا۔

قیصر یہ جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان شریف

قیصر اس کے خاندان میں سے کسی اور نے کبھی پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان، نہیں،

قیصر، اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی ہوا تھا؟

ابوسفیان، نہیں،

قیصر، جنہوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے، وہ کمزور لوگ ہیں یا بڑے بڑے رئیس ہیں؟

ابوسفیان، کمزور،

قیصر، اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں، یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان، بڑھتے جا رہے ہیں،

قیصر، کبھی تم لوگوں کو اس کے جھوٹ بولنے کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان، نہیں،

قیصر، وہ کیا کبھی قول و قرار کر کے پھر بھی گیا ہے؟

ابوسفیان، اب تک تو ایسا نہیں کیا، اب جو معاہدہ اس سے ہوا ہے، دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں،

قیصر، کیا تم کبھی اس سے لڑے بھی ہو؟

ابوسفیان، ہاں،

قیصر، لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان، کبھی ہم جیتے، کبھی وہ،

قیصر، وہ کیا کہتا ہے؟

ابوسفیان، یہ کہتا ہے کہ ایک خدا کو مانو، اور اُسی کو پوجو، اسی سے دعائیں مانگو، نماز پڑھو، پاکباز بنو، سچ بولو، رشتہ کا حق ادا کرو،

قیصر ابوسفیان کے یہ سب جواب سن کر بول اُٹھا کہ اگر تم نے سچ سچ کہا ہے، تو ایک دن ایسا آئے گا، کہ وہ میرے پاؤں کے نیچے کی اس مٹی پر بھی قبضہ کرلے گا، اگر ہوسکتا تو میں جاتا اور اس کے پاؤں دھوتا،

ایک دشمن کی زبان سے اتنی سچی شہادت کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

عرب کے کئی رئیسوں نے اسلام کو قبول کیا، بحرین میں اسلام کا پیام اس سے پہلے پہنچ چکا تھا، اور عبدالقیس کا قبیلہ یہاں مسلمان ہوچکا تھا، حبش کے جانے والے مسلمانوں کے ذریعہ سے اس ملک میں بھی یہ مذہب پھیل رہا تھا، بلکہ یمن کے کناروں تک اس کی آواز پہنچ چکی تھی، وہاں دَوس کا قبیلہ بہت پہلے مسلمان ہوچکا تھا، اَشعر کا قبیلہ بھی اسلام کا نام لینے لگا تھا، عمرو بن عبسہ رضؓ جو سلیم کے قبیلہ سے تھے، گو مکہ ہی کے زمانہ میں مسلمان ہوچکے تھے، اب جاکر جب ان کو لوگوں کی زبانی مدینہ میں اسلام کی ترقی معلوم ہوئی تو مدینہ آکر اپنے

اسلام کا اعلان کیا، ان کے مسلمان ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے، ان کو کسی طرح پتہ لگا کہ مکہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہوا ہے، وہ اس کے مشتاق ہو کر مکہ پہنچے، یہاں اس وقت کافروں کا بڑا نرغہ تھا، مگر وہ کسی طرح چھپ کر آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور پوچھا آپؐ کون ہیں؟ فرمایا، میں پیغمبر ہوں، بولے پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ مجھے خدا نے پیغام دے کر بھیجا ہے، دریافت کیا کہ کیا پیغام دے کر بھیجا ہے، فرمایا "یہ پیغام کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بُت توڑے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے، اور کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، "عمروؓ نے پوچھا" اب تک آپؐ کے مذہب کے ماننے والے کتنے ہوئے ہیں" فرمایا ایک آزاد (ابو بکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ) عمروؓ نے کہا "میں آپؐ کے مذہب میں آنا چاہتا ہوں" فرمایا "ابھی تو ایسا نہیں ہو سکتا، تم دیکھتے ہو کہ لوگوں کا کیا حال ہے، ابھی اپنے گھر واپس جاؤ، جب میری کامیابی کا حال سننا تو آنا" اس خدا کے بندے کو اب جب پیغمبر علیہ السلام کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو دوڑ کر آیا،

غِفار کا آدھا قبیلہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کے کہنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، اور آدھا اس وقت مسلمان ہوا، جب آپؐ

مدینہ آئے، جُہَینہ کے قبیلہ نے ایک ساتھ ایک ہزار کی جمعیت سے اسلام قبول کیا، اسی طرح اَسلَم، مُزَینہ اور اشجع کے قبیلوں نے اس سچائی کی آواز کو سنا اور قبول کیا،

حُدیبیہ کی صلح، اسلام کی فتح کا نقارہ تھا، غرض تو یہ تھی کہ لڑائی بھڑائی دور ہو، دشمنی اور عداوت کا جذبہ ٹھنڈا ہو، اور مخالفت کا رنگ پھیکا پڑے، اور لوگوں کو اسلام کے روحانی انقلاب کے دیکھنے اور اسلام کی تعلیم سمجھنے کا موقع ملے، حدیبیہ کی صلح نے یہ موقع بہم پہنچایا، کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، اُن کی باتوں کے سننے، اور ان پر غور کرنے کا موقع ملا تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد دونی ہوگئی، خود مکہ کے ہر گھر میں اسلام پہنچ چکا تھا،

قریش کے دو بڑے جرنیل خالد اور عمرو بن العاص تھے، دیکھ چکے ہو کہ اُحد کے میدان میں صرف خالد کی جنگی مہارت نے مسلمانوں کی جیتی ہوئی لڑائی ہرادی، حدیبیہ کی صلح ہو چکی تو وہ مکہ سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہوئے، راستہ میں عمرو بن عاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے مسلمان ہونے جا رہا ہوں، عمرو نے کہا، میرا بھی یہی ارادہ ہے، دونوں ایک ساتھ مدینہ پہنچے، اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے، آگے چل کر ان میں ایک (خالدؓ) وہ ہوا جس نے شام کا ملک

قیصر سے چھین لیا، اور دوسرے عمروؓ نے مصر کی سلطنت رومیوں سے لے کر اسلام کے قدموں پر ڈال دی'

ایک روایت میں ہے، کہ عمرو بن عاصؓ کے دل پر اسلام کا اثر یوں پڑا کہ جن دنوں اسلام کا قاصد اسلام کا پیغام لے کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچا، تو عمرو وہیں تھے، وہاں انھوں نے دیکھا کہ حبش کا بادشاہ اس سلطنت کے باوجود اس کا کلمہ پڑھنے لگا، تو ان پر بڑا اثر ہوا آخر وہ اس اثر کو چھپا نہ سکے، اور مکہ واپس آکر مسلمان ہو گئے'

قیصر کے دربار میں ابو سفیانؓ نے اسلام کی صداقت کا جو منظر دیکھا، وہ بھی بے اثر نہیں رہا، مگر پھر بھی ابھی وقت کا انتظار تھا،

یہود کا آخری قلعہ

خیبر

آخری ۶ھ یا شروع ۷ھ

اب یہود کی آبادی حجاز کے ہر گوشہ سے سمٹ کر حجاز کے آخری کنارہ پر ملک شام کے قریب خیبر میں اکٹھی ہو گئی تھی یہاں انکی بڑی بڑی کوٹھیاں اور قلعے تھے، اور اب یہود یہاں اسلام کے مقابلہ میں

آخری سہارا لینے کے لئے زور لگا رہے تھے، ان کا ایک سردار ابو رافع سلام بن ابی الحقیق جو حجاز کا سوداگر کہلاتا تھا، ۶ھ میں غطفان وغیرہ قبیلوں کو لے کر مدینہ پر دھاوا کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، کہ ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ سے اپنے قلعہ میں سوتا ہوا مارا گیا،

سلام کی جگہ اب اسیر بن رزام نے لی، اس نے بھی ان ہی قبیلوں میں دورہ کر کے ایک بھاری فوج تیار کی، مدینہ میں خبر پہنچی تو آپؐ نے تحقیق کے لئے آدمی بھیجے، انھوں نے آکر تصدیق کی آپؐ نے صلح کے لئے کچھ آدمی بھیجے، اور اسیر کو مدینہ بلایا، کہ صلح بھی ہو جائے وہ تیس آدمیوں کو لے کر چلا، راستہ میں اس کے دل میں کیا بات آئی، کہ چاہا کہ مسلمان دستہ کے افسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لے، اس پر دونوں طرف تلواریں چلیں، اور اسیر اس میں کام آیا،

اب خیبر والوں نے غطفان والوں کو نخلستان کی آدھی پیداوار دینے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا، غطفان کے ایک قبیلہ بنو فزارہ نے یہ ہمت کی کہ محرم ۷ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور ایک مسلمان کو قتل کیا،

اب مسلمانوں کے صبر کا پیالہ بھر گیا، خیبر کے حملہ کا اعلان ہوا، سولہ سو مسلمان جہاد کے شوق میں آپؐ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے

فوج کے ساتھ کچھ مسلمان بی بیاں بھی آئی تھیں، تاکہ پیاسوں کو پانی پلاسکیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کر سکیں، لڑائی کے میدان سے تیر اٹھا اٹھا کر لائیں، یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی فوج نے پھریرا اڑایا، تین جھنڈے تیار ہوئے، ایک حبابؓ بن مُنذر کو اور دوسرا سعدؓ بن عُبادہ کو اور تیسرا جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا، اسلام کے شیر حضرت علیؓ مرتضیٰ کو سپرد ہوا، راستہ میں اس مقدس فوج کا ترانہ یہ تھا،

خداوندا! اگر تو نہ ہوتا تو ہم کو یہ ہدایت نہ ملتی، ہماری جانیں قربان
ہم کو معاف کردے، اور ہم پر تسلی اتار، اور ہمارے قدم جما ظالموں
نے ہماری طرف ہاتھ بڑھائے ہیں، اور فتنہ کھڑا کرنا چاہا ہے تو ہم
ان سے دبنے والے نہیں، تیری مہربانی سے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے

ایمان کا یہ جوش سے بھرا ہوا دریا یوں امنڈا ہوا چلا جا رہا تھا، کہ رات کے اندھیرے میں خیبر کے قلعہ سے ٹکرایا، موقع تھا کہ رات کی تاریکیوں میں ان پر حملہ کر دیا جاتا، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا، اور حکم دیا کہ صبح کا انتظار کیا جائے، صبح ہوئی اور یہودیوں نے حسب معمول قلعوں کے پھاٹک کھولے، تو سامنے فوج پڑی دیکھی، پکار اٹھے کہ محمدؐ کی فوج! آپؐ اب تک لڑنا نہیں چاہتے تھے،

اس لئے اب بھی حملہ کا حکم نہیں دیا، لیکن یہودیوں نے صلح کے بجائے لڑائی کی ٹھانی، یہ دیکھ کر آپؐ نے مسلمانوں کو پہلے نصیحتیں فرمائیں، پھر جہاد کا حکم سنایا،

مسلمانوں نے پہلے ناعم نام قلعہ پر دھاوا کیا، محمودؓ بن مسلمہ ایک بہادر مسلمان اس دستہ کے افسر تھے، وہ بہت اچھی طرح لڑے، لیکن گرمی کے دن تھے، وہ ذرا دم لینے کو قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے، یہودی سردار کنانہ چپکے سے دیوار کے اوپر چڑھ گیا، اور وہاں سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا، جس کے صدمہ سے وہ مر گئے، لیکن اس قلعہ کے دروازے مسلمانوں نے کھول لئے قموص کے قلعہ پر مرحب نام ایک مشہور یہودی بہادر مقرر تھا، اس کے مقابلہ کے لئے کئی روز تک بڑے بڑے صحابہؓ فوجیں لے کر گئے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب لڑائی زیادہ بڑھی، تو ایک دن شام کو آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہ "کل میں جھنڈا اسی شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسولؐ اس کو چاہتے ہیں" یہ رات امید اور انتظار کی رات تھی، بڑے بڑے صحابیوںؓ نے ساری رات اس انتظار میں کاٹی کہ دیکھئے فخر کی یہ دولت کس کے ہاتھ آتی ہے

صبح ہوئی تو ناگاہ کانوں میں آواز آئی "علی کہاں ہیں"؟ ان کی آنکھوں میں درد تھا، وہ بلائے گئے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنے منہ کا لعاب لگایا، اور دعا فرمائی، اور خیبر کی فتح کا جھنڈا عنایت ہوا، عرض کی کہ کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنا لوں، فرمایا "نرمی کے ساتھ ان کے سامنے اسلام پیش کرو، اگر ایک آدمی بھی تمہاری ہدایت سے مسلمان ہو جائے تو یہ سُرخ اونٹوں کی دولت سے بہتر ہے"

مرحب قلعہ سے اپنی بہادری کا یہ گیت گاتا ہوا نکلا،

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، سلاح میں ڈوبا ہوا، تجربہ کار بہادر ہوں"

مرحب کے جواب میں خدا کے شیر نے یہ شعر پڑھا،

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، جنگل کے شیر کی طرح ڈراؤنا ہوں"

خدا کے شیر نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی، مرحب مارا گیا، اور قلعہ کا پھاٹک مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا،

لڑائی میں پندرہ مسلمان کام آئے، یہودیوں نے صلح کرلی، اور صلح کی شرط یہ ٹھہرائی کہ زمین ہمارے قبضہ میں چھوڑ دی جائے

پیداوار کا آدھا حصہ ہم مسلمانوں کو دیا کریں گے، یہودیوں کی یہ درخواست منظور ہوئی، یہ گویا زمینداری کا پہلا سبق تھا، جو یہودیوں نے مسلمانوں کو سکھایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ترس کھا کر اس کو قبول کرلیا، خیبر کی آدھی زمینوں کی ملکیت لڑنے والے مسلمانوں کو دی گئی، اور آدھی اسلامی خزانہ کی ملکیت قرار پائی، اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی پانچواں حصہ (خمس) مقرر ہوا، جس کی آمدنی آپؐ کے گھر کی ضرورتوں اور اسلام کی دوسری مصلحتوں میں کام آتی،

سال میں بٹائی کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ صحابی کو خیبر بھیجدیتے، وہ جاکر ساری پیداوار کے ڈھیر کو دو برابر حصّوں میں بانٹ دیتے، اور یہود سے کہتے، ان دو میں سے جو چاہو تم لے لو، یہود کی آنکھوں کے لئے اس عدل و انصاف کا نظارہ بالکل نیا تھا، وہ کہہ اُٹھتے تھے کہ "زمین و آسمان اسی عدل سے قائم ہیں"

فتح کے بعد آپؐ چند روز خیبر میں ٹھہرے، اگرچہ یہود کے ساتھ پوری مراعات برتی گئی تھی، اور ان کو ہر طرح امن و امان بخشا گیا تھا، مگر پھر بھی ان کی فطری بدنیتی نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا

ایک یہودی عورت نے آپؐ کی اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے کچھ ہمراہیوں کی دعوت کی، اور کھانے میں زہر ملا دیا، آپؐ نے لقمہ منہ میں رکھ کر کھانے سے ہاتھ روک لیا، اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے، لیکن ایک صحابی نے اس کو اچھی طرح کھایا، آپؐ نے اس یہودن کو بلا کر پوچھا، تو اس نے جرم کا اقرار کیا، اس پر بھی آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا، لیکن جب ان صحابی نے اس زہر سے وفات پائی تو وہ اُن کے بدلہ میں ماری گئی،

خیبر کے پاس ہی ایک ترائی تھی، جس کو وادی القریٰ کہتے تھے، اس میں تیما، اور فدک وغیرہ یہودیوں کے چند گاؤں تھے مسلمان ادھر بھی بڑھے، وہاں کے یہود نے خیبر کی شرط پر صلح کرلی اس واقعہ پر یہود کی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا،

مدت کی آرزو

عمرہ

ذیقعدہ سنہ ۷ھ

عمرہ ایک قسم کا چھوٹا حج ہے، جس میں احرام کے ساتھ کعبہ کے

گرد گھوم کر اور صفاؔ اور مروہؔ کی پہاڑیوں کے بیچ میں تیز چل کر کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں، یاد ہوگا کہ پچھلے سال حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ اگلے سال مسلمان مکہ آکر عمرہ ادا کرلیں، اس شرط کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا اعلان کیا، اور مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ جوش کے ساتھ روانہ ہوگیا، شرط تھی کہ مسلمان ہتھیار اتار کر مکہ میں داخل ہوں گے، اگرچہ یہ شرط پوری کرنی خطرہ سے خالی نہ تھی، مگر مسلمانوں نے خانۂ کعبہ کی زیارت کے شوق اور معاہدہ کے احترام میں اس شرط کو پورا کیا، مکہ سے آٹھ میل ادھر ہی سارے ہتھیار اتار کر رکھدیے گئے، اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اس کی حفاظت پر متعین ہوا، باقی مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہوکر جوش و خروش کے ساتھ جھومتے تھتے عمرہ کے سب کام پورے کئے، تین دن بعد شرط کے مطابق آپؐ مکہ سے نکلے،

مکہ سے نکلتے وقت ایک عجیب اثر میں ڈوبا ہوا منظر سامنے آیا، حضرت حمزہؓ کی یتیم بچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا چچا کہہ کر پکارتی ہوئی آئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو کہ ان کی بہن تھی گود میں اٹھا لیا، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے اس کے لئے اپنے دعوی الگ الگ پیش کئے، حضرت جعفرؓ

کہتے تھے، کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے، کیا یہ ناز اور محبت کی لڑائی اسی کے لئے نہیں ہو رہی تھی جو اسلام سے پہلے زندہ زمین میں گاڑ دی جاتی تھی، اسلام نے اب لوگوں کے دلوں کو کیسا بدل دیا تھا،

ایک نیا دشمن

موتہ کی لڑائی

جمادی الاولیٰ ۸ھ

اب تک اسلام کو ملک عرب کے اندر کے یہود، اور مشرکوں کے قبیلوں سے سامنا تھا، اب آگے عیسائی رومیوں کی طاقتور سلطنت کی دیوار حائل تھی، عیسائی رومیوں کی ماتحتی میں ایک عرب خاندان بصریٰ پر حکومت کر رہا تھا، اس خاندان کے رئیس نے اس مسلمان قاصد کو جوان کے پاس اسلام کی دعوت کا خط لے کر گیا تھا، قتل کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہید کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار فوج مدینہ سے روانہ کی، حضرت جعفرؓ، عبداللہ بن رواحہ اور زیدؓ بن حارثہ اس میں خاص طور سے بھیجے گئے تھے،

فوج کی سرداری زیدؓ بن حارثہ کو دی گئی، ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ شہید ہوں تو جعفرؓ، اور وہ بھی مارے جائیں تو زیدؓ بن رواحہ فوج کے افسر ہوں۔

حوران کے بادشاہ کو خبر لگ چکی تھی، اس نے ایک لاکھ کے قریب فوج تیار کی، خود روم کے قیصر نے بیشمار فوجوں کے ساتھ موآب میں آکر خیمہ ڈالا، آپؐ نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ لڑائی سے پہلے دشمن کو صلح کا موقع دینا، اور اسلام کا پیام پہنچا لینا، اسلام کی فوج جب قریب پہنچی تو دیکھا کہ تین ہزار مسلمانوں کو لاکھوں کے دل بادل کا سامنا ہے، مگر مسلمان تو خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلیوں پر لئے ہوئے پھرتے تھے، وہ شہادت کے شوق میں ڈرے نہیں، عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہم تعداد کی کمی بیشی اور طاقت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے، ہم تو مذہب کی طاقت سے لڑتے ہیں، اس پر تین ہزار کے چھوٹے گروہ نے ایک لاکھ فوج پر حملہ کر دیا،

حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کی جگہ حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا، اور اس طرح بہادری سے لڑے کہ ایک ہاتھ کٹ گیا، تو دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو پکڑ لیا، اور دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو سینے سے چمٹا لیا، آخر تلواروں اور برچھیوں کے نوّے زخم کھانے کے بعد گرے

اور شہادت پائی، ان کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے یہ جھنڈا ہاتھ میں لیا، اور وہ بھی شہید ہو گئے، اب حضرت خالدؓ خود سے آگے بڑھے، اور مسلمانوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو گوز زیر نہ کر سکے، مگر مسلمانوں کو انکی زد سے نکال لائے"

کعبہ کی چھت پر اسلام کا جھنڈا

مکہ کی فتح

رمضان ۸ھ

(اس ابراہیم کے لائے ہوئے دین کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی دنیا کی سب سے پہلی مسجد کعبہ کو جو اسلام کا قبلہ اور دین کا مرکز تھا، بتوں کی گندگی سے پاک کرے، اب تک جو کچھ ہوا، ظاہر میں وہ اس فرض سے الگ تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا رہا، اور جس کی خاطر یہ خون کی ندیاں بہتی رہیں، وہ سب اسی کی پہل تھی، کیونکہ مکہ پر قبضہ کئے اور کافروں کی ننگی تلواروں کو توڑے بغیر ان بتوں کو توڑ کر حرم کے صحن سے باہر نہیں کیا جا سکتا تھا)

اب جب کہ ان باطل معبودوں کی حفاظت کے لئے جو تلواریں

عَلَم تھیں، وہ جھک چکیں تو اب وقت آیا کہ کعبہ کو ان نجاستوں سے پاک کرنے میں دیر نہ کی جائے،

حدیبیہ کی صلح کے سبب سے خود سے مسلمان اب مکہ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، مگر خدا کی قدرت دیکھئے، کہ اس کا موقع خود مکہ والوں نے پیدا کر دیا، حدیبیہ کی صلح کی رو سے کچھ قبیلوں نے مکہ والوں کا ساتھ دیا تھا، اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے، ان میں سے خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا اور ان کے دشمن بنو بکر قریش سے ملے ہوئے تھے، معاہدہ کے رو سے قریش کے ساتھیوں میں سے کسی کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قبیلہ پر حملہ کر دینا معاہدہ کو توڑ دینا تھا،

خزاعہ اور بنو بکر میں زمانہ سے لڑائیاں چلی آتی تھیں، جب تک اسلام سے مقابلہ رہا، سب ملے رہے، اب جب کہ حدیبیہ کی صلح نے مطمئن کر دیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا، یک بیک انھوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا، قریش کے بہت سے بہادروں نے راتوں کو صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواریں چلائیں، خزاعہ نے حرم میں پناہ لی، مگر وہاں بھی اس کو پناہ نہ مل سکی، شرط کے مطابق مسلمانوں پر ان کی مدد فرض تھی، خزاعہ کے چالیس شہسواروں نے فریاد لے کر مدینہ کی راہ لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ

سنا تو آپؐ کو بہت رنج ہوا، آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا،
اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے وہ کوئی منظور کرلیں
۱۔ خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے، ان کے خون کے بدلہ میں روپیہ ادا کریں،
۲۔ بنو بکر کی حمایت سے وہ الگ ہوجائیں،
۳۔ اعلان ہوجائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

قریش کے سردار نے قریش کی طرف سے تیسری بات منظور کرلی، یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ اب باقی نہیں رہا، لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش بہت پچھتائے، اور انھوں نے ابوسفیان کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا، کہ حدیبیہ کے معاہدہ کو پھر سے تازہ کرلے، ابوسفیان نے مدینہ آکر پہلے نبوت کی بارگاہ میں عرض کی وہاں کوئی جواب نہ ملا، تو حضرت ابوبکرؓ سے آکر کہا، انھوں نے انکار کیا، وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا، انھوں نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا، پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو طے کر چکے ہیں، اس کے بارہ میں ان کو کچھ اور مشورہ نہیں دیا جا سکتا، بہتر ہے کہ تم مسجد میں جا کر اعلان کردو کہ میں حدیبیہ کی صلح کو پھر بحال کرتا ہوں، اس نے یہی کیا،

ابوسفیان نے جاکر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا، سب نے
کہا "نہ یہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں، اور نہ یہ جنگ ہے کہ
لڑائی کا سامان کریں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کردیں،
اور احتیاط کی کہ مکہ والوں کو پتہ نہ لگنے۔ ۱۰ رمضان کو دس ہزار
فوجیں مکہ کی طرف بڑھیں، مکہ سے ایک منزل ادھر اتر کر رات
کو پڑاؤ ڈالا، قریش کو خبر نہ تھی، ابوسفیان اور قریش کے دو سردار
پتہ لگانے کو نکلے، کچھ دور نکلے تو دیکھا کہ باہر ایک فوج پڑی ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کو جو مکہ سے نکل کر
پہلے ہی راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ چکے
تھے، مکہ والوں کی حالت پر رحم آیا، اور یہ سوچ کر کہ اگر فوج کے
مکہ میں داخلہ سے پہلے مکہ والے خود آکر امن مانگ لیں تو ان کی
مصیبت دور ہوجائے گی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ
سے نکلے، اور آپ کی سواری پر بیٹھ کر مکہ کی راہ لی، ابھی کچھ ہی
دور چلے تھے کہ ابوسفیان وغیرہ مل گئے، ان کو بتایا کہ اسلام کا لشکر
مکہ کے پاس پہنچا، اب قریش کی خیر نہیں، ابوسفیان نے مشورہ
پوچھا، فرمایا کہ، تم میرے ساتھ چلے آؤ، وہ ساتھ ہولئے، حضرت عباسؓ

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلے، راہ میں حضرت عمرؓ نے دیکھ کر کہا "کفر کا سردار اب ہمارے قبضہ میں ہے۔ اور یہ کہہ کر جھپٹے، مگر حضرت عباسؓ ان کو لے کر جلدی سے حضرتؐ کے خیمہ میں گھس گئے، اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے ابو سفیان کو پناہ دی ہے، یہ کون ابو سفیان تھا؟ وہی جس نے اسلام کے خلاف بدر کے بعد سے لے کر اب تک ساری لڑائیاں کھڑی کی تھیں، عرب کے قبیلوں کو ابھار ابھار کر بار بار مدینہ پر چڑھا کر لایا تھا، جس نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں، اب وہ مسلمانوں کے پنجہ میں تھا، اور اپنے ہر جرم کی سزا کا مستحق تھا، لیکن اسلام کا رحمت مجسّم رسولؐ ان سب سے درگذر کر کے اس کو اسلام کی بشارت سناتا ہے، اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے لئے یہ فخر کا خلعت عطا فرماتا ہے، کہ اعلان عام کر دیا جاتا ہے، کہ "آج جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا، اس سے کوئی باز پرس نہیں، یہ رحمت اور عام ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو اپنا گھر بند کر لے گا اس کو بھی امن ہے،

حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ ابو سفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر ذرا اسلامی لشکر کا سیلاب دکھایا جائے، تھوڑی دیر کے بعد اسلام

فوجیں جوش مارتی ہوئی آگے بڑھیں سب سے پہلے قبیلۂ غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ، ہذیم اور سلیم کے قبیلے ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ ڈر جاتا تھا سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ پہاڑی گونج اٹھی، سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں انصار کا جھنڈا تھا، ابوسفیان نے حیرت سے پوچھا، یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا آخر میں خود رسالت کا آفتابؐ نظر آیا، جس کے چاروں طرف جان نثاروں کا ہالہ تھا، حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں اس کا جھنڈا تھا

یہ پورا لشکر جب مکہ کے پاس پہنچا تو اس کی منادی ہوئی اور حرم کا گھر جو تین سو ساٹھ بتوں کا مسکن تھا، اس گندگی سے پاک ہوا اور ابراہیمؑ کے خدا کا گھر اب پھر خدا کا گھر بنا، اور توحید کی اذان مسجد کے منارہ سے بلند ہوئی، مکہ کے بڑے بڑے سردار جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن، مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کی راہ کے پتھر تھے، آج حرم کے صحن میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا، اور پوچھا کہ "اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ سب نے کہا "آپؐ جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں" ارشاد ہوا، "جاؤ آج تم پر

کوئی ملامت نہیں، تم سب آزاد ہو۔" یہ آواز کیسی توقع کے خلاف تھی، مگر یہ دل کی گہرائی سے اٹھی تھی، اور دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی نے جس نے اُحد کے میدان میں حضرت حمزہؓ کی لاش کے ٹکڑے کئے تھے، نقاب اوڑھ کر سامنے آتی ہے، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عام معافی کے پیغام سے خوش ہو جاتی ہے اور چلا اٹھتی ہے کہ "اے اللہ کے رسولؐ! آج سے پہلے مجھے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی، مگر آج سے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے پیارا نہیں معلوم ہوا۔"

آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں، دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے، اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی چہار دیواریوں پر بلند ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تاثیر میں ڈوبی ہوئی یہ تقریر فرمائی:۔

"ایک کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اس کی خدائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اس نے اپنے بندہ کی مدد کی، اور آخر اس نے کفر کے سارے جتھوں کو اکیلے توڑ دیا۔

ہاں! آج کفر کے سارے فخر اور غرور، خون کے سارے کینے اور جاہلیت کے سارے بدلے اور سارے دعوے میرے

پاؤں کے نیچے ہیں، صرف دو عہدے باقی رہیں گے، خانۂ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت،

اے قریش کے لوگو! خدا نے اب جاہلیت کے غرور اور باپ دادوں پر فخر کو مٹا دیا، اب آدمؑ کی ساری نسل برابر ہے، تم سب ایک آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے، خدا فرماتا ہے:

" لوگو! میں نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور میں نے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لئے بنایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے "

آج سے اللہ نے شراب کی خرید و فروخت اور سود کے کاروبار کو حرام ٹھہرایا "

اس وقت کعبہ اور حرم کے حدود میں ہبل، لات، مناۃ وغیرہ بڑے بڑے بت کھڑے تھے، آج ان کی جھوٹی خدائی کی مدت پوری ہو گئی، مسلمانوں کے ایک ہاتھ کے اشارہ میں، وہ اب پتھر کے ڈھیر تھے اور ہر جگہ توحید کا نعرہ بلند تھا،

ہوازن اور ثقیف کا معرکہ

شوال ۸ھ

مکہ جو حجاز کی راجدھانی اور عرب کی مذہبی جگہ تھی، جب اس کی چھت پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوا، تو سارے عرب نے اس کو اسلام کی سچائی کا نشان مان لیا، اور ہر طرف سے لوگ کفر کے پھندے سے نکل نکل کر اسلام کی امان میں آرہے تھے، مگر مکہ کے قریب ہوازن اور ثقیف دو ایسے طاقتور قبیلے تھے جو کسی دوسرے قبیلہ کی ماتحتی کے ننگ کو گوارا نہیں کرنا چاہتے تھے، ہوازن کے قبیلہ کے سرداروں نے اوروں کو بھی اُبھارا اور حنین کے میدان میں اسلام کے خلاف ایک ملا جلا بہت بڑا جتھا اکٹھا کیا، مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج جس میں بڑا حصہ قریش کے نومسلموں کا تھا، بڑے سروسامان سے اس کے مقابلہ کو نکلی، ہوازن کے لوگ تیر چلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، ان کی پہلی ہی باڑھ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

گو مسلمانوں پر اب تیروں کا مینہ برس رہا تھا، اور ان کی با ہزار فوج ہوا ہو گئی تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر تھے، آ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا "اے انصار کے گروہ!" آواز ساتھ جواب ملا کہ ہم حاضر ہیں! پھر آپؐ نے بائیں جانب پکارا، ا بھی وہی آواز آئی، آپؐ سواری سے اتر پڑے، اور جوش کے ل میں فرمایا، "میں ہوں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر! میں بے شک پیغمبر ہوں، اور عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔ حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو آواز دی، او انصار کے گروہ! اور اے وہ لوگو جنھوں نے اسلام پر جان دینے کی بیعت کی ہے، آگے بڑھو! ا اثر میں ڈوبی ہوئی آوازوں کا کانوں میں پڑنا تھا، کہ اسلام کے جانباز پلٹ پڑے، اور اس جوش سے بڑھے کہ زرہیں اتار کر پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے، اب میدان کا رنگ بدل گ کافروں کی فوج کائی کی طرح پھٹ گئی، اور ان کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی،

کافروں کی فوج کا کچھ حصہ بھاگ کر طائف میں جمع ہو طائف میں ثقیف کا قبیلہ اپنے کو قریش کے برابر کا جانتا تھا ان کا قلعہ بھی بڑا مضبوط تھا، اور قلعہ میں لڑائی کا سارا سامان

پکی تھا، انھوں نے قلعہ بند کرکے لڑائی شروع کی، مسلمانوں نے
قلعہ پر بار بار حملے کئے، لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا، مسلمانوں کو اس قلعہ
کو یوں چھوڑ کر ہٹنا گوارا نہ تھا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے ایک دن کی مہلت چاہی۔ اجازت ملی تو دوسرے دن
بڑے زور سے حملہ کیا، مگر کامیابی اب بھی دور تھی، مسلمانوں نے
عرض کی، اے اللہ کے رسولؐ ان کے حق میں بد دعا کیجئے، برکت والے
لب ہلے، تو یہ لفظ نکلے، "خداوندا! ثقیف کو ہدایت نصیب کر، اور
انہیں اسلام کے آستانہ پر لا"، دعا کا یہ اثر ہوا کہ دو سال بھی گزرنے
نہیں پائے تھے کہ ثقیف کے لوگوں نے خود مدینہ میں آکر اسلام کا کلمہ پڑھا۔
مال غنیمت کی تقسیم اور حضور طائف کا محاصرہ چھوڑ کر آپؐ نے جعرانہ کے
صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، لڑائی کی لوٹ کا بہت
سا سامان ساتھ تھا، چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار
بکریاں، اور ۴ ہزار اوقیہ[۱] چاندی، رحم دیکھ کر قیدیوں کو لے کر آپؐ
یہاں انتظار کرتے رہے، کہ ان کے عزیز آئیں اور ان کو چھڑا
لے جائیں، لیکن کئی دن گزر گئے، اور کوئی نہیں آیا، تب لوٹ کے
مال کے پانچ حصے کئے گئے، چار حصے سپاہیوں میں بٹ گئے، اور
پانچواں حصہ غریبوں، مسکینوں اور اسلام کے دوسرے ضروری

[۱] ایک عربی تول

کاموں کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہا،

آپؐ نے مکہ اور اطراف کے بہت سے نومسلم رئیسوں کو جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے، ان کی تسلی اور اطمینان کی خاطر اس لڑائی کے لوٹ کے مال میں سے بہت سا سامان عنایت فرمایا، کچھ انصاری نوجوانوں کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاص بخشش کے بھید سے واقف نہ تھے، یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا، اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ لڑائی کا اصلی زور ہم ہی نے سنبھالا، اور اب تک ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض نوجوان انصار بول اٹھے کہ مشکل کے وقت ہماری یاد ہوتی ہے، اور انعام اوروں کو ملتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو ایک خیمہ میں الگ بلا کر پوچھا، کہ کیا تم نے ایسا کہا، عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ ہمارے بڑوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نوجوانوں کے منھ سے یہ فقرے نکلے تھے، یہ دریافت فرمالینے کے بعد آپؐ نے اُن کے سامنے وہ تقریر فرمائی جس کا ہر فقرہ اثر میں ڈوبا تھا، فرمایا،

"کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے راہ سے ہٹے تھے، تو خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو سیدھی راہ دکھائی، تم بکھرے تھے تو خدا نے میرے

ذریعہ تم کو ایک کر دیا، تم مفلس تھے تو خدا نے میرے ذریعہ تم کو دولت مند بنایا"

آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے" آپؐ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دے سکتے ہو "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا، تو ہم نے تجھ کو سچا مانا، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا، تو ہم نے تیرا ساتھ دیا، تو مفلس آیا تھا، تو ہم نے ہر طرح تیری مدد کی"

یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ، اور میں یہ کہتا جاؤں گا، کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصارو! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر آؤ،

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ اٹھے "کہ ہم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درکار ہے" اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں، اس کے بعد آپؐ نے انصار کو سمجھایا، کہ مکہ کے لوگ چونکہ نئے نئے اسلام لائے تھے، اس لئے ان کو جو کچھ ملا، وہ حق کے طور پر نہیں بلکہ اسلام کی نعمت سے ان کو آشنا کرنا مقصود تھا،

اس درمیان میں قیدیوں کے چھڑانے کے لئے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں اوس قبیلہ کے بھی کچھ لوگ تھے جس میں دایہ حلیمہ تھیں، جن کا بچپن میں آپؐ نے دودھ پیا تھا، آپؐ نے فرمایا، عبدالمطلب کے خاندان کا جس قدر حصہ ہے، وہ تمھارا ہے، لیکن قیدیوں کی عام رہائی کی صورت یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو، تو تم سب کے سامنے اپنی درخواست پیش کرو، ظہر کی نماز کے بعد انھوں نے سب مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں عام مسلمانوں سے تمہاری سفارش کرتا ہوں، یہ سننا تھا کہ سب مسلمان بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد ہوگئے۔

رومی خطرہ

تبوک کی لڑائی | اس زمانہ میں شام اور مصر کے ملک عیسائی رومیوں کے ہاتھوں میں تھے، جن کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا، شام کی حدیں حجاز سے ملی ہوئی تھیں، حجاز میں اسلام کی نئی قوت کا حال سن کر رومیوں میں کھلبلی تھی، حجاز اور شام کی سرحد پر تبوک نام

ایک مقام تھا، اس کے آس پاس کچھ عرب سردار جو عیسائی ہو گئے تھے، رومیوں کی ماتحتی میں حکومت کر رہے تھے، ان عرب سرداروں میں غسانی خاندان کے عرب سب میں طاقتور تھے، اور وہی رومیوں کی طرف سے اس کام پر متعین ہوئے، دم بدم مدینہ میں یہ خبریں پھیلتی تھیں۔ کہ غسانی مدینہ پر چڑھائی کی فکر میں کر رہا ہے، شام کے نبطی سوداگروں نے آکر بیان کیا، کہ رومیوں نے شام میں بڑی بھاری فوج جمع کر لی ہے، جو ہر طرح کے سامان سے تیار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں سن کر مسلمان نمازیوں کو بھی تیاری کا حکم دیا، اتفاق یہ کہ یہ سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، ملک میں قحط کے آثار بھی تھے، منافق جو دل سے مسلمان نہ تھے، ان کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت آگیا، وہ لڑائی سے جی چراتے تھے، اور دوسروں کو بھی پردہ پردہ میں روکتے تھے،

مگر پرجوش مسلمانوں کے لئے یہ اُن کے ایمان کی تازگی کا نیا موقع ہاتھ آیا، کہ اب عرب کے چند قبیلوں کا سامنا نہیں، بلکہ دنیا کی ایک بڑی سلطنت کا مقابلہ ہے، دولتمند صحابیوں نے بھی بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، چونکہ سفر دور کا تھا، اور سواری کا انتظام تھوڑا تھا، اس لئے بعض معذور مسلمان رو رو کر عرض کرتے کہ حضور سفر

کا سامان مہیا فرما دیں تو ساتھ چلنے کی سعادت ملے، یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضؓ نے فوج کے لئے تین سو اونٹ پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر جاتے، تو کسی نہ کسی کو شہر کا حاکم بنا کر جاتے، ازواج مطہراتؓ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اس دفعہ ساتھ نہیں جا رہی تھیں، اس لئے کسی عزیز خاص کا یہاں چھوڑ جانا مناسب تھا، اس لئے اس دفعہ یہ منصب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سپرد ہوا، انھوں نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ ارشاد ہوا، کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، آپؐ کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے وہ فخر ہے جس کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا،

غرض آپؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ جس میں دس ہزار سوار تھے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملہ کی خبر صحیح نہ تھی، مگر اتنا صحیح تھا کہ اسلام کی نئی قوت کے مقابلہ کے لئے غسانی رئیس دوڑ دھوپ کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں بیس دن قیام کیا، اس قیام کا اثر یہ ہوا کہ تیس ہزار

مسلمانوں کی یہ پاکیزہ جماعت جو ظاہر میں سپاہی اور حقیقت میں
عاشقِ الٰہی تھی، آس پاس کے شہروں پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی
اسلام میں اگلے پیغمبروںؑ کی امتوں کے ساتھ یہ رعایت رکھی
گئی ہے، کہ وہ اگر تھوڑا سا محصول دے کر مسلمانوں کی رعایا بن
جائیں، تو مسلمان ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھالیں،
اس محصول کا نام قرآنِ پاک میں "جزیہ" رکھا گیا ہے، یہ پہلا موقع
تھا کہ کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کی حکومت میں آتی ہے، ایلہ خلیج
عقبہ کے پاس عربوں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی، اس کے رئیس
یوحنا نے خدمتِ نبویؐ میں آکر جزیہ دے کر مسلمانوں کی حفاظت
میں رہنا منظور کیا، جرباء اور اذرح کے عیسائی عربوں نے بھی جزیہ
دے کر مسلمانوں سے صلح کرلی، دمشق کے پانچ منزل ادھر ہی
دومۃ الجندل میں ایک عرب سردار اکیدر نامی تھا، جو قیصرِ روم
کے اثر میں تھا، مسلمانوں نے چار سو سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا،
اور اس کو پکڑ کر خدمتِ نبویؐ میں لائے، اس نے اس شرط پر رہائی
پائی کہ وہ مدینہ آکر صلح کی شرطیں پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی
کے ساتھ مدینہ آیا، اور امان پائی،

تبوک کا سفر اس حیثیت سے کہ یہ عرب کے باہر کی دو سب سے

بڑی طاقتوں میں سے ایک سے ٹکرانے کی سب سے پہلی کامیاب کوشش تھی، بہت اہم تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخیر و عافیت واپسی پر مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی، مدینہ کے لوگ شوق کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لئے شہر سے باہر نکلے، عورتیں بھی گھروں سے نکل آئیں، اور لڑکیوں نے خیر مقدم کا یہ گیت گایا :-

طلع البدر علینا	ہم پر چاند نکلا
من ثنیات الوداع	وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	خدا کا شکر اس وقت تک ہم پر فرض ہے،
ما دعا للہ داع	جب تک دنیا میں خدا کا کوئی پکارنے والا باقی ہے،

حجۃ الاسلام کا پہلا اور آخری حج اور برات کا اعلان | اسلام کی دعوت شروع ہوئے بائیس برس ہو چکے تھے، بائیس برس کی لگاتار کوششوں سے اب عرب کا ذرہ ذرہ اسلام کے نور سے چمک رہا تھا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آوازیں اس کی ہر گھاٹی سے اونچی ہو رہی تھیں یمن کی سرحد سے لے کر شام کی سرحد تک اب اسلام کی حکومت تھی، اور خدا کا گھر اب توحید کا مرکز بن چکا تھا، اب وقت آیا کہ اسلام کا

وہ مذہبی دربار جو حج کے نام سے مشہور رہے، اللہ کے بنائے اور
حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے دستور کے مطابق آراستہ ہو،

تبوک سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں ذیقعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے شروع مہینہ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ کو روانہ فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس قافلہ کے سردار، حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس کے نقیب اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ منادی اور معلم بنائے گئے تھے، اور قربانی کے لئے بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کا نام حج اکبر[1] رکھا ہے کیونکہ یہ کفر کی حکومت کے ختم ہو جانے، اور اسلام کے عہد کے شروع ہونے کا سب سے پہلا اعلان تھا، حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کے اصلی طریقے بتائے اور سکھائے، اور قربانی کے دن کھڑے ہو کر اسلام کا خطبہ پڑھا، اور ان کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب نے براءت کی اس سورہ سے چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں، جن میں کافروں سے ہر طرح کے تعلق کے توڑے جانے کا اعلان تھا، اور منادی کر دی گئی کہ

---

[1] بڑا حج

اب سے کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں نہ آنے پائے گا، اور نہ کوئی ننگا ہو کر حج کر سکے گا اور صلح کے وہ تمام معاہدے جو مشرکوں سے ہوئے تھے، آج سے چار مہینہ کے بعد سب ٹوٹ جائیں گے،

کیا عجیب بات ہے کہ وہ قریش جو بیس برس تک تلوار کی نوک سے اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، وہ مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد کسی قسم کے جبر اور لالچ کے بغیر صرف اسلام کا گہرا رنگ اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھ بھال کر آپ سے آپ مسلمان ہوتے چلے گئے، اور جو اب تک محروم رہے تھے، وہ اس اعلان کے بعد اسلام کے سایہ میں آگئے،

عرب کے صوبوں میں اسلام کی

عام منادی

اب عرب کا ہر ذرہ آفتاب رسالت کے دامن سے لپٹا تھا توحید کی اشاعت کی راہ سے مشکل کا ہر ہر پتھر ہٹ چکا تھا، اور سارے حجاز میں اسلام کی حکومت تھی، لیکن ابھی یمن، یمامہ،

بحرین وغیرہ عرب کے کچھ ایسے صوبے تھے، جہاں گو ایک ایک دو دو آدمی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن ان میں اسلام کی عام منادی نہیں ہوئی تھی، اب جب کہ قریش اور ان کے ساتھی قبیلوں کی مخالفت کی ہر کوشش ناکام ہو چکی، وقت آیا کہ دور کے علاقوں میں بھی اسلام کی منادی کی جائے، اور شاہ اور رعایا، امیر اور فقیر ہر ایک کو سچائی کی دعوت دی جائے۔

عرب کے سارے صوبوں میں بڑا یمن کا صوبہ تھا، جو تقریباً پچاس ساٹھ برس سے ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، یمن کے ایک بڑے قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو نے مکہ جا کر بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اور ان کے اثر سے اس قبیلہ کے کئی آدمی وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہتے، ۷ھ میں جب آپ خیبر میں تھے، دوس کے بہت سے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ چلے آئے تھے، مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ انہی میں تھے، اشعر نام یمن کے ایک دوسرے قبیلہ میں بھی لوگ آپ ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے، مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰؓ اشعری اسی قبیلہ کے تھے، یہ لوگ بھی مدینہ آکر بس گئے تھے

یمن میں ہمدان کا قبیلہ بہت شہرت رکھتا تھا، اس قبیلہ نے جب اسلام کا نام سنا تو اپنے رئیس عامر بن شہر کو اس نے

دین کے جانچنے کے لئے مدینہ بھیجا، اس نے وہاں پہنچ کر جو کچھ دیکھا اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کی سچائی نے اس کے دل میں گھر کر لیا، وہ واپس آیا، تو اپنے خاندان میں اسلام کا نور پھیلایا،

یمن کے بعض قبیلوں میں اشاعت کا کام کرنے کے لئے پہلے حضرت خالدؓ بھیجے گئے، وہ چھ مہینے تک اپنا کام کرتے رہے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے، یہ دیکھ کر آپؐ نے ان کو واپس بلا لیا، اور ان کی جگہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا، حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ان کے سب رئیسوں کو بلایا، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خط پڑھ کر سنایا، ساتھ ہی سارا کا سارا قبیلہ مسلمان تھا، چنانچہ ہمدان، جذیمہ اور مذحج کے قبیلوں میں اسلام کی روشنی حضرت علیؓ مرتضیٰ ہی کے فیض سے پھیلی، یمن کے دوسرے شہروں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کو دوسرے ممتاز صحابی مقرر ہوئے، چنانچہ صنعاء میں جو یمن کا پایہ تخت تھا، خالدؓ بن سعید کی کوشش کامیاب ہوئی، طے کا قبیلہ اسلام سے پہلے عیسائی تھا، اس وقت حاتم طائی کا بیٹا عدی اس قبیلہ کا سردار تھا، وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکساری اور بیکسوں سے ہمدردی دیکھ کر مسلمان ہو گیا، اور اسی

کی دعوت پر اس کے قبیلہ نے بھی توحید کا کلمہ پڑھا، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے عدن اور زبید میں، اور حضرت معاذؓ بن جبل نے جُند میں جاکر اسلام کا پیغام پہنچایا، جریرؓ بن عبداللہ بجلی نے حمیر کے شہروں میں اسلام پھیلایا، مہاجرؓ بن ابی اُمیہ ایک صحابی یمن کے ایک شہزادہ حارثؓ بن عبد کلال کو اسلام کے حلقہ میں لائے، وَبرہ بنؓ یحنس صحابی نے یمن کے اُن ایرانی نسل کے لوگوں کو جو یمن میں بس گئے تھے، اسلام کی خوشخبری سنائی،

یمن میں نجران کا علاقہ عیسائی آبادی تھا، وہاں کے لوگوں نے اسلام کا خط پاکر اپنے پادریوں کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا، اور گو وہ مسلمان نہیں ہوئے، لیکن جزیہ دے کر اسلام کی حکومت قبول کی، نجران میں جو مشرک عرب تھے، ان کی ہدایت کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا، جن کے سمجھانے سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا، حضرت خالدؓ نے تھوڑے دن وہاں ٹھہر کر ان کو اسلام کی باتیں سکھائیں،

بحرین پر اس وقت ایرانیوں کی حکومت تھی، اور اس کی وادیوں میں عرب کے قبیلے آباد تھے، جن میں مشہور اور با اثر خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے، ان میں سے عبدالقیس کے

قبیلہ سے منقذ بن حیان تجارت کے لئے نکلے، راہ میں مدینہ پڑتا تھا
وہاں ٹھہرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا آنا معلوم ہوا، تو
ان کے پاس تشریف لے گئے، اور اسلام کی دعوت دی، انھوں
نے قبول کیا، اور مسلمان ہو گئے، یہاں رہ کر انھوں نے سورۂ فاتحہ
اور اقرا سیکھی، آپؐ نے ان کو ایک فرمان لکھ کر دیا، جب وہ لوٹ کر
گھر گئے، پہلے اپنے اس نئے مذہب کو چھپایا، لیکن ان کی بیوی نے
ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی،
انھوں نے منقذ سے دریافت کیا، بات چیت کے بعد منذر
بھی مسلمان ہو گئے، اب دونوں نے لوگوں کو جمع کر کے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک سنایا، اور سب نے اسلام قبول کیا،

بحرین میں ایک مقام جواثی تھا، جس میں عبدالقیس کا قبیلہ
تھا، یہاں بہت پہلے اسلام پہنچ چکا تھا، مدینہ کے بعد جمعہ کی نماز
سب سے پہلے یہیں کے لوگوں نے ادا کی، ۸ھ میں بحرین کا
عرب رئیس منذر بن ساوی نے علاء بنؓ حضرمی کی دعوت پر
اسلام قبول کیا، اور ان کے ساتھ وہاں کے سارے عرب اور
ایرانی بھی مسلمان ہو گئے، بحرین میں ہجر ایک مقام تھا، وہاں کے
ایرانی حاکم سیبخت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پا کر

اسلام کی دولت پائی،

عمان میں ازد قبیلہ آباد تھا، عبید اور جعفر یہاں کے رئیس تھے، ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ انصاری کو جو حافظِ قرآن تھے، اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اپنا خط دے کر ان کے پاس بھیجا، دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا، اور وہاں کے سارے لوگ ان کے کہنے سے مسلمان ہوئے،

شام کے حدود میں کئی رئیس تھے، ان میں سے ایک فروہ رضی اللہ عنہ تھے جن کی ریاست معان میں تھی، وہ رومیوں کے ماتحت تھے، وہ اسلام سے آشنا ہو کر مسلمان ہو گئے، رومیوں کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوا تو ان کو پکڑ کر سولی دے دی، اس وقت عربی کا یہہ شعر اس بے گناہ شہید کی زبان پر تھا، جس کا ترجمہ یہ ہے،

"مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا تن من اور میری آبرو سب پروردگار کے نام پر نثار ہے"

غرض ان کوششوں سے اسی طرح اسلام عرب کے ایک ایک گوشہ میں پھیل گیا، اور وہ وقت آیا کہ عرب میں کوئی مشرک باقی نہ رہا،

دین کی تکمیل اور اسلامی نظام

کی

تاسیسؔ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا پیغام لیکر دنیا میں تشریف لائے تھے، دنیا نے اس کی مخالفت کی، اور عرب والوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی نہیں بلکہ اس کے مٹانے کی ہر طرح کی کوشش کی، مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا، ان کے گھروں سے ان کو نکالا، اور وہ بے سر و سامانی سے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر کبھی حبشہ کے ملک میں کبھی دور دور کے شہروں میں نکل جانے پر مجبور ہوئے۔ اور اس طرح تیرہ برس تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اور حضورؐ کے ساتھی مسلمانوں نے پورے صبر اور مضبوطی سے ان سختیوں کو جھیلا آخر کفر کی قوتوں نے فوج و لشکر اور تیغ و خنجر سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کی تیاری کی، اور نو برس تک لگاتار ان کی یہ کوشش جاری رہی، مسلمانوں نے ان کی اس ظالمانہ طاقت کا بھی سامنا کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ اس میدان میں بھی کامیاب ہوئے، اور

ؔ تاسیس بنیاد رکھنا۔

آہستہ آہستہ مشکل کا ہر پتھر ان کی راہ سے ہٹ گیا، عرب کا ایک ایک گوشہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا، اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے آوازہ سے عرب کا پورا جزیرہ گونج اُٹھا، تو وقت آیا کہ دین اپنے پورے احکام کے ساتھ تکمیل کا درجہ پائے، اور اس کا نظام عرب کے ملک میں قائم کردیا جائے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہ آیتیں اتریں جو دلوں میں نرمی، روحوں میں گرمی اور خیالوں میں تبدیلی پیدا کریں، جب یہ ہوچکا تو احکام کی آیتیں آئیں اگر ایسا نہ ہوتا اور پہلے ہی دن یہ حکم دیا جاتا کہ لوگو! شراب چھوڑ دو، تو کون اس کو مانتا، اسلام کی دعوت کی یہ ترتیب قدرتی تھی، اور فطرت کے عین مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مدینہ میں رہے، توحید کی تعلیم، اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت اور بے حد رحمت، بت پرستی کی برائی، بتوں کی بیچارگی، اللہ کے رسولوں کے قصے، رسولوں کے نہ ماننے سے قوموں پر عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، خدا کے سامنے اپنے کاموں کے جواب دہ ہونے، اور اچھوں کے لئے جنت اور بروں کے لئے دوزخ کے سماں دکھائے جاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ کی عبادت کے

ڈھنگ، غریبوں کے ساتھ مہربانی، بیکسوں کے ساتھ شفقت اور
اخلاق کی دوسری اچھی اچھی باتوں کے سبق ان کو سکھائے جاتے رہے
نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے ماننے والوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا، جو
اس کے ہر حکم پر گردن جھکانے کو تیار ہو گیا، اس وقت اللہ نے
اپنے رسولؐ کے ذریعہ اپنے سارے حکموں سے ان کو آگاہ کیا،

ان کو بتایا گیا کہ دن میں پانچ دفعہ حضرت ابراہیمؑ کی مسجد
(کعبہ) کی طرف منہ کرکے خدا کے حضور میں کھڑے ہوں، گھٹنوں کے
بل جھک کر (رکوع) اپنی بندگی کا اقرار کریں، پھر زمین پر سر رکھ کر
(سجدہ) اپنی عاجزی کو نمایاں شکل میں ظاہر کریں، یہ نماز کہلائی، یہ
نماز سارے مسلمان ایک وقت پر ایک جگہ اکٹھے ہو کر ایک امام
کے پیچھے ایک ساتھ ادا کریں، اس کا یہ مطلب ہوا کہ نماز جس طرح
خدا اور بندہ کے لگاؤ کی سب سے مضبوط کڑی ہے، اسی طرح یہ
مسلمانوں کے قومی نظام کی حقیقی شکل بھی ہے، یعنی سارے مسلمان
ایک ہو کر، ہر فرقِ مراتب کی قید کو توڑ کر، ایک صف میں کھڑے
ہو کر، ایک ایسی متحد جماعت کی صورت بن جائیں، کہ ان کے تمام
ظاہری فرق مٹ جائیں، اور وہ سب مل کر ایک امام کے ایک
ایک اشارہ پر حرکت کریں، اسی لئے آپؐ نے فرمایا کہ نماز میں

سارے مقتدی پاؤں سے پاؤں ملا کر خوب مل کر کھڑے ہوں، تاکہ ان کے دل بھی اسی طرح مل جائیں، اور یہ فرمایا کہ جو شخص امام کے اٹھنے بیٹھنے سے پہلے اٹھ بیٹھ جائے، اس کو ڈرنا چاہیئے کہ اس کی صورت بدل کر گدھا نہ بن جائے، جو اپنی حماقت کے لئے مشہور ہے،

اسلام کے سارے احکام میں نماز کی حیثیت سب سے بڑھی ہوئی ہے، اسی لئے اس کو دین کا ستون فرمایا ہے، عرب کی بے اطمینانی اب جیسی ہی دور ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نماز کی طرف توجہ فرمائی، اس کے ارکان کی تکمیل اور اوقات کی تعین تو مکہ ہی میں ہو چکی تھی، مگر اب جیسے جیسے اطمینان بڑھتا گیا، اس کی ظاہری اور باطنی کیفیتوں کی طرف بھی توجہ بڑھتی گئی، اب اس میں قرآن اور دعا کے سوا ہر قسم کی انسانی بول چال، اشارے، سلام و کلام وغیرہ کی ممانعت ہو گئی، اور ایک ساتھ ایک جگہ مل کر نماز پڑھنا جس کو جماعت کہتے ہیں، واجب ٹھہرایا گیا، نماز کی سمت خانۂ کعبہ مقرر ہوئی، تاکہ دنیا بھر کے مسلمان وحدت کے ایک رنگ میں نمایاں ہوں،

ہفتہ کی اجتماعی نماز جس کا نام جمعہ ہے، گو مکہ ہی میں فرض ہو چکی تھی، مگر مکہ کی بے اطمینانی میں سب بیار مسلمان بھی مل کر ایک جگہ

نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، تو آبادی کے سارے مسلمان مل کر ایک ساتھ نماز کس طرح پڑھ سکتے تھے، اس لئے جمعہ کی نماز مکہ میں ادا نہیں ہوسکتی تھی، مگر مسلمانوں کو مدینہ میں جیسے ہی اطمینان ملا، پہلے ہی ہفتہ میں دن کی روشنی میں دوپہر کے وقت زوال کے بعد ہی جمعہ کی نماز ادا کی، اور امام نے جمعہ کا خطبہ پڑھا، دوسرے ہفتہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور اس وقت سے آپؐ نمازِ جمعہ کی امامت کرنے لگے، اور نماز سے پہلے خدا کی تعریف (حمد) اور قرآن کی تلاوت کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم، تنبیہ اور نصیحت سے بھری ہوئی مختصر تقریر جس کو خطبہ کہتے ہیں، فرمانے لگے،

مدینہ سے باہر دوسرے صوبوں کے شہروں اور آبادیوں میں مدینہ ہی سے یا ان ہی مقامات سے اماموں کا تقرر ہوا، یہ امام اس مقام کے مسلمانوں کے معلّم، مبلّغ، مفتی، اور پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے، وہ ان کو اچھی باتیں سکھاتے، بری باتوں سے روکتے، ان کو ضرورت کے مسئلے بتاتے، اور بچوں کو اللہ و رسول کا کلمہ سکھاتے دین کی باتیں بتاتے، اور قرآن کی تعلیم دیتے،

اس غرض کے لئے ہر آبادی میں خدا کے نام سے نماز اور مسلمانوں

کی دوسری اجتماعی ضرورتوں کے لئے مسجدیں بنائی گئیں یہ مسجدیں
ان کی نماز اور جماعت کا گھر، ان کی تعلیم کا مدرسہ ان کے وعظ
پند کا مقام، ان کے قومی و دینی کاموں کی مشورہ گاہ اور ان کے
قاضیوں اور حاکموں کی عدالت قرار پائیں۔

غریب مسلمانوں کی امداد کے لئے زکوٰۃ کا نظام مقرر ہوا،
یعنی یہ کہ ہر مسلمان ہر سال اپنے اس سونے چاندی کے مال پر جو اس
کی ضرورت سے زیادہ ہو سال بھر کے بعد اس کا چالیسواں حصہ
خدا کی راہ میں دے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس سونے چاندی کے
علاوہ جانور ہوں، یا کھیت ہوں تو ان پر مختلف تعدادوں کے
مطابق ایک حصہ خدا کے کاموں کے لئے فرض کیا گیا، یہ ساری رقمیں
اور جانور اور پیداواریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
میں مسجد نبویؐ میں حضرت کے موذن حضرت بلالؓ کے پاس یا کسی
اور عامل کے پاس جمع ہوتیں، اور ضروریات کے مطابق ضرورتمندوں
میں بانٹ دی جاتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کام
کے لئے ایک الگ دفتر بنا دیا گیا، جس کا نام بیت المال رکھا گیا،
یہ بیت المال مسلمانوں کے امام کی نگرانی میں رہتا اور ضرورتمند
مسلمانوں کی ضرورتیں اس سے پوری کی جاتیں،

سنہ ۹ھ میں جب سارے عرب میں مسلمانوں کا شیرازہ بندھ
گیا، تو عرب کے ہر حصہ میں زکوٰۃ کے تحصیل وصول کے لئے لوگ مقرر
ہوئے، جن کو عامل کہتے ہیں، یہ لوگ ہر جگہ جاکر مسلمانوں سے زکوٰۃ کا
مال وصول کرتے، اور لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں یا بیت المال میں جمع کرتے، اور اپنا حساب پیش کرتے،

— مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے قرآن کی صورت میں زندگی
کا جو ہدایت نامہ ملا، اس کی خوشی اور مسرت کی تقریب میں اس
کی سالانہ یادگار اسی مہینہ میں قرآن پاک پہلی دفعہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو ملا، یعنی رمضان کے مہینہ میں ہر سال منانا ضروری ٹھہرایا گیا
تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکریہ ادا کریں، اور مہینہ بھر اسی
کیفیت میں گذاریں، جس کیفیت میں اس مہینہ کو اسلام کے پیغمبر
اور قرآن کے پہلے مخاطب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گذارا
یعنی صبح سے شام تک مہینہ بھر ہم کھانے پینے اور دوسرے نفسانی
کاموں سے پرہیز کریں جس کا نام روزہ ہے، اور ہوسکے تو راتوں
کو کھڑے ہوکر دو دو رکعتوں میں کلام پاک سنیں، جن کو تراویح
کہتے ہیں، اور دوسری عبادتوں میں مہینہ بسر کریں، مہینہ کے
ختم ہونے پر شوال کی پہلی تاریخ کو عید کا دن منائیں، اچھے اچھے

کپڑے پہنیں، خوشبو لگائیں اور سب مل کر عیدگاہ جا کر شکرانہ کی دو رکعتیں ادا کریں، اور اس دن نماز سے پہلے غریبوں کے کھانے کے لئے غلہ کی کچھ کچھ مقدار ان کے نذر کریں[لہ] تاکہ وہ بھی یہ دن خوشی خوشی منائیں،

رمضان درحقیقت اس قرآنِ پاک کے اترنے کی خوشی کا جشن ہے جو مسلمانوں کی ہر خیر و برکت کا اصلی سبب ہے اور اس میں روزہ اس لئے فرض ہوا ہے، کہ مسلمان وہ پاکی کی زندگی بسر کرنا سیکھیں، جس کو قرآن نے تقویٰ کہا ہے، اور جو قرآن کے اترنے کی اصلی غرض ہے،

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے، اسلام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دینِ حنیف کی اصلی شکل ہے، اس لئے جس طرح رمضان کا روزہ قرآنِ پاک کے اترنے کی یادگار ہے، اسی طرح حج حضرت ابراہیمؑ کے دین کی یادگار ہے، خانۂ کعبہ وہ مقدس مسجد ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے خدا کے نام پر سب سے پہلے بنایا تھا، تاکہ وہ دنیا میں خدا پرستوں کا مرکز ہو، جہاں دنیا کے ہر حصہ سے ایک خدا کے ماننے والے سال میں ایک

لہ۔ اسی کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں، اس غلہ کی قیمت دے دینا بھی جائز ہے،

دفعہ اکٹھے ہوکر ابراہیمی طریق سے خدا کی عبادت کریں،

خانہ کعبہ وہ مسجد ہے جدھر منہ کرکے ہر مسلمان دن میں پانچ بار اپنی نماز ادا کرتا ہے، اب یہ ضروری ٹھہرا کہ مسلمانوں میں سے جن کو طاقت ہو، اور ان کے پاس راستہ کا خرچ ہو، وہ عمر میں ایک دفعہ اس مسجد میں حاضر ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس مسجد کے چاروں طرف پھیرے کریں، جو "طواف" کہلاتا ہے، اور صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے بیچ میں ویسے ہی دوڑ دوڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں جیسے حضرت ہاجرہؓ دوڑی تھیں، اور عرفات و منٰی کے میدانوں میں خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اور منٰی میں آکر حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح قربانی کا جشن منائیں، اور دنیا کے سارے مسلمان ایک جگہ مل کر دین اور دنیا کی بھلائی کی باتیں کریں اور اپنی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی برادری کی بھلائی کی تجویزیں سوچیں،

کلمۂ توحید کے بعد اسلام کے یہ چار رکن ہیں، یہ چاروں رکن اب تکمیل کو پہنچ گئے اور دین کے وہ احکام جو اخلاق کی پاکی اور معاملات میں عدل اور انصاف کا لحاظ رکھنے کے لئے ضروری تھے، وہ مسلمانوں کو سکھا دیئے گئے، اور عرب کے ملک میں مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا، جو دین اسلام کا نمونہ اور اسلامی پیام کا قاصد بن کر

دنیا کے دوسرے حصوں میں ہدایت کا پیام اور عمل پہنچا سکے، اور اس طرح ساری دنیا اسلام کی تعلیم سے منور ہو سکے،

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انسانیت نے مساوات کا سبق سیکھ لیا، قریشی اور غیر قریشی، عرب اور عجم، کالے اور گورے، امیر اور غریب سب ایک خدا کے بندہ ہو کر اسلام کے ہر حق میں اور آخرت کے ہر مرتبہ میں برابر ٹھہر گئے، انسانوں کی پیدا کی ہوئی ساری تفریقیں مٹ گئیں، سب ایک آدم کے بیٹے ٹھہرے اور آدم مٹی کا پتلا تھے،

خدا کے سوا ہر باطل کا خوف، آسمان و زمین کی ہر قوت کا ڈر، ہر باطل وسوسہ کا ہراس، دیو، فرشتہ، بھوت، پریت، چاند، سورج، ستارے، دریا، جنگل، پہاڑ، غرض کہ ہر مخلوق، ہر طاقت، اور ہر مادی اور روحانی مظہر کی خدائی ہیبت جو کمزور انسانوں پر چھائی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حق کی آواز نے اس سارے طلسم کو توڑ کر رکھ دیا،

عرب کے وہ سارے غلط رسم ورواج، وہ سارے جھوٹے قاعدے اور بے شرمی و بد اخلاقی کے پرانے دستور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مٹ گئے، اور وہ تعلیمات مسلمانوں کی زندگی کے

اصول ٹھہرے جو قرآن لایا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے، اب ایک نئی قوم، نئی امت، نیا تمدن، نیا قانون اور نئی حکومت زمین کے پردہ میں قائم ہوئی،

ہمارے پیغمبر صلعم کا آخری حج

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کی خاطر زمین کے پردہ پر بھیجا تھا، جب وہ انجام پا چکا تو اطلاع آئی کہ تمہارا کام پورا ہو چکا، اب تم خدا کے پاس واپسی کے لئے تیار ہو جاؤ سورۂ نصر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اسی واقعہ کی خبر ہے،

ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ میں ہر طرف منادی ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے یہ خبر دفعتہ پورے عرب میں پھیل گئی، اور سارا عرب ساتھ چلنے کے لئے امنڈ آیا، ذیقعدہ کی ۲۶ر کو آپؐ نے غسل فرمایا، اور چادر اور تہمد باندھی اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ سے باہر نکلے، مدینہ سے

چھ میل پر ذو الحلیفہ کے مقام پر رات گذاری، اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی، اور احرام باندھ کر قصواء[1]، نامی اونٹنی پر سوار ہوئے، اور بلند آواز سے یہ الفاظ فرمائے جو آج تک ہر حاجی کا ترانہ ہے،

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ	اے خدا ہم تیرے لئے حاضر ہیں
لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ	اے خدا ہم تیرے لئے حاضر ہیں تیرا
لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ	کوئی شریک نہیں، ہم تیرے سامنے
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہے
لَا شَرِيْكَ لَكَ	اور بادشاہی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے بیان کرنے والے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے تھے، تو اس کے ساتھ کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں کی زبان سے بھی نعرہ بلند ہوتا تھا، اور دفعتہً پہاڑوں کی چوٹیاں اسکی جوابی آواز سے گونج اٹھتی تھیں، اس طرح منزل بہ منزل آپؐ آگے بڑھتے چلے، یہاں تک کہ اتوار کے روز ذوالحجہ کی ۵، تاریخ کو مکہ

[1] حضورؐ کی ایک اونٹنی کا نام تھا،

میں داخل ہوئے،

کعبہ نظر آیا تو فرمایا، "اے خدا! اس گھر کو عزت اور شرف دے"

کعبہ کا طواف کیا، مقام ابراہیم میں کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کی، دور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا:-

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور اسی کی حمد ہے، وہی مارتا اور جلاتا ہے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی خدا نہیں، مگر وہی اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اور اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی"

عمرہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے دوسرے صحابیوں کو احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی، اسی وقت حضرت علیؓ مرتضیٰ یمنی حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچے، جمعرات کے روز آٹھویں ذی حجہ کو آپؐ نے سارے مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذیحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے، عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات آکر ٹھہرے، دوپہر ڈھل گئی، تو قصواء پر سوار ہو کر میدان میں آئے، اور اسی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے حج کا خطبہ دیا،

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے سارے بیہودہ مراسم مٹا دیے گئے، آپؐ نے فرمایا

ہاں! جاہلیت کے سارے دستور اور رسم و رواج میرے دونوں
پاؤں کے نیچے ہیں،

عرب کی زمین ہمیشہ انتقام[1] کے خون سے رنگین رہتی تھی، آج عرب کی نہ ختم ہونے والی آپس کی لڑائیوں کے سلسلہ کو توڑا جاتا ہے، اور اس کے لئے نبوت کا منادیؐ سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کرتا ہے،

"جاہلیت کے سارے خون کے بدلے ختم کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن حارث کے بیٹے کے انتقامی خون کے بدلہ لینے کا حق چھوڑتا ہوں، (یعنی دشمن کو معاف کرتا ہوں)

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال بچھا تھا جس میں عرب کے غریب مزدور اور کاشتکار، یہودی مہاجنوں اور عرب سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں پھنسے تھے، اور ہمیشہ کے لئے وہ ان کے غلام ہو جاتے تھے، آج اس جال کا تار الگ کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے بھی سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، ارشاد ہے:-

"جاہلیت کے سود مٹا دیئے گئے، اور سب سے پہلا سود جس کو میں مٹاتا ہوں وہ اپنے خاندان کا، یعنی عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہے۔

[1] بدلہ،

آج تک عورتیں ایک طرح سے شوہروں کی منقولہ جائداد تھیں، جو جوؤں میں ہاری اور جیتی جاسکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ مظلوم گروہ انصاف کی داد پاتا ہے، فرمایا:۔

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے، اور عورتوں کا تم پر ہے۔"

عورتوں کے بعد انسانوں کا سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا، آج اس کے انصاف پانے کا دن آیا، فرمایا:۔

"تمہارے غلام، تمہارے غلام، ان کے حق میں انصاف کرو، جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ"

عرب میں امن و امان نہ تھا، اس نے جان اور مال کی کوئی قیمت نہ تھی، آج امن وسلامتی کا بادشاہ ساری دنیا کو صلح کا پیغام دیتا ہے:

"آپس میں تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے کیلئے قیامت تک اتنا ہی عزت کے قابل ہے، جتنا آج کا دن اس پاک مہینہ میں اور اس پاک شہر میں۔"

امن و امان کی اس منادی میں سب سے پہلی چیز اس دینی برادری کا وجود ہے جس نے قبیلوں اور خاندانوں کے رشتوں سے بڑھ کر عرب کے سارے قبیلوں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں میں اسلامی

برادری کا رشتہ جوڑ دیا، ارشاد ہوا :-

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں"

دنیا کی بے اطمینانی کی سب سے بڑی چیز جس نے ہزار ہا سال تک قوموں سے لڑایا ہے، وہ قومی فخر و غرور ہے، آج اس فخر و غرور کا سر کچلا جاتا ہے، اعلان ہوتا ہے :-

"ہاں! کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی بڑائی نہیں، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا" ۔

اس کے بعد چند اصولی قانون کا اعلان فرمایا گیا"

۱۔ خدا نے ہر حقدار کو (وراثت کے رو سے) اس کا حق دے دیا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں،

۲۔ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، زنا کار کے لئے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے"

۳۔ ہاں! عورت کو اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دینا جائز نہیں،

۴۔ قرض دار کو قرض ادا کیا جائے، عاریت لیا ہوا مال واپس کیا جائے، ہنگامی عطیے واپس کئے جائیں، جو ضامن بنے وہ تاوان کا ذمہ دار ہو"

آج امت کے ہاتھوں میں اس کی ہدایت کے لئے وہ دائمی چراغ مرحمت ہوتا ہے، جس کی روشنی میں جب تک کوئی چلتا رہے گا ہر گمراہی سے بچتا رہے گا، فرمایا۔

"میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا، تو پھر کبھی گمراہ نہ ہوگے، اور وہ خدا کی کتاب ہے"

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع کی طرف خطاب کیا۔

"تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دوگے"؟

ایک لاکھ زبانوں نے ایک ساتھ گواہی دی "ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، اور اپنا فرض ادا کر دیا" یہ سُن کر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔ "اے خدا تو گواہ رہ"

عین اس وقت، جب آپؐ نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے، خدا کی بارگاہ سے یہ بشارت آئی،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ — آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ — پورا کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی
لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۱) — اور تمہارے لئے اسلام کو دین کو چن لیا۔

خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی، کیسا عجیب منظر تھا،

کہ آج سے ۲۲ برس پہلے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدا
کی پرستش کی دعوت دی، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے
چند ساتھیوں کے سوا کوئی گردن خدا کے آگے خم نہ تھی، اور آج ۱۱ برس
کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ گردنیں اس کے
حضور میں جھکی تھیں، اور اللہ اکبر کا نعرہ ہر طرف سے بلند ہو رہا تھا،

نماز سے فارغ ہو کر آپ سوار ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ موقف میں تشریف
لائے، اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے
دعا و زاری میں مصروف رہے، جب آفتاب ڈوب چکا تو چلنے
کی تیاری کی، اس وقت ایک لاکھ آدمیوں کے ہجوم میں تلاطم برپا تھا،
آپ آگے بڑھتے جاتے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے زبان سے
فرماتے جاتے تھے، "لوگو! امن اور سکون کے ساتھ، لوگو! امن اور
سکون کے ساتھ" مغرب کا وقت تنگ ہو رہا تھا، کہ آپ مزدلفہ
کے مقام پر پہنچے، یہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی،[1]
صبح سویرے فجر کی نماز پڑھ کر قافلہ آگے بڑھا، یہاں تک وادی
پائیں تھے، اہل ضرورت اپنی اپنی ضرورت کے مسئلے پوچھتے رہتے تھے

[1] یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو ظہر اور عصر ایک ساتھ اور
مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

اور آپ ان کے جواب دیتے جاتے تھے، جمرہ پہنچ کر کنکریاں پھینکیں اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا:-

"مذہب میں خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے نہ بڑھنا، تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں"

اسی درمیان میں یہ فقرہ بھی فرمایا، جس سے وداع و رخصت کا اشارہ ٹپکتا تھا:

"مجھ سے مسئلے سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ پھر حج کر سکوں گا"

یہاں سے نکل کر آپ منیٰ میں تشریف لائے، دائیں بائیں آگے پیچھے مسلمانوں کا ہجوم تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے، آپ نے آنکھیں اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا، تو نبوت کے ۲۳ سال کے کارنامے نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول اور اعتراف کا نور پھیلا تھا، اب ایک نئی شریعت، ایک نیا نظام اور ایک نئے عہد کا آغاز تھا، اسی عالم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ فقرے ادا ہوئے:

"ہاں! اللہ نے آسمان اور زمین کو جب پیدا کیا تھا، آج زمانہ پھر پھرا کر

اپنی فطرت پر آگیا، تمہاری جانیں اور تمہاری ملکیتیں آپس میں ایک
دوسرے کے لئے ویسی ہی عزت کے قابل ہیں جیسے آج کا دن، اس
عزت کے مہینہ میں اور اس عزت والی آبادی میں ہاں! دیکھنا!
میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا، کہ خود ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو
تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے کاموں کی
بابت پوچھے گا، اگر تم پر ایک کالا نکٹا غلام بھی سردار بنا دیا جائے
جو خدا کی کتاب کے مطابق تم کو لے چلے تو اس کا کہا ماننا،
اپنے پروردگار کی پرستش کرنا، پانچوں وقتوں کی نمازیں پڑھنا، رمضان
کے مہینہ کا روزہ رکھنا، اور میرے حکموں کو ماننا، تم اپنے پروردگار
کی جنت میں داخل ہوگے،

ہاں! اب شیطان اس سے ناامید ہوگیا، کہ تمہارے اس شہر
میں اس کی پرستش پھر کبھی ہوگی۔ ہاں! چھوٹی چھوٹی باتوں میں
اس کے کہنے میں آجاؤ گے، اور وہ اسی سے خوش ہوگا۔"

یہ کہہ کر آپؐ نے مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "کیا میں نے
اپنا پیغام پہنچا دیا، ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں "ہاں! بیشک" فرمایا
خداوندا گواہ رہنا" یہ کہہ کر ارشاد فرمایا، "جو یہاں موجود ہے وہ
اس پیغام کو اس تک پہنچا دے، جو یہاں نہیں" یہ گویا تبلیغ کا وہ

فریضہ تھا، جو ہر مسلمان کی زندگی کا جزء ہے،

ان سب کے بعد آپؐ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا،

حج کے دوسرے کاموں سے فرصت کرکے ۱۴ ذی الحجہ کو فجر کی نماز خانۂ کعبہ میں پڑھ کر سارا قافلہ اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرینؓ اور انصارؓ کے جھرمٹ میں مدینہ کی راہ لی،

وفات

ربیع الاول سنہ ۱۱ھ

مئی سنہ ۶۳۲ء

حضورؐ کی پاک روح کو اس دنیا میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ نبوت کا کام پورا ہو، اور توحید کی روشنی سے دنیا کا اندھیرا دور ہو جائے، اور جب یہ کام پورا ہو چکا تو پھر خدا کے پاس واپسی کا حکم آ پہنچا، حجۃ الوداع کے موقع پر عام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرما کر خدا کے آخری احکام سے مطلع فرمایا، حج کے سفر سے

واپس ہونے کے دو ماہ بعد آپؐ نے ان مسلمانوں سے بھی رخصت ہونا چاہا جو شہادت کا پیالہ پی کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے تھے، چنانچہ اُحد جا کر آپؐ نے اُحد کے شہیدوں کے لئے دعا فرمائی، اور ان کو ٹھیک اس طرح رخصت کیا، جیسے مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے، اس کے بعد ایک مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:-

"میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں، اس حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو دنیا کے سارے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں، مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں، کہ تم دنیا میں پھنس کر آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ، تو پھر تم بھی اسی طرح برباد ہو جاؤ جیسے پہلی قومیں برباد ہو گئیں"

اُحد کے شہیدوں کے بعد عام مسلمانوں کے قبرستان کی باری آئی، صفر ۱۱ھ کی کسی درمیانی تاریخ میں آدھی رات کو آپؐ مسلمانوں کے عام قبرستان میں جس کا نام جنت البقیع ہے، تشریف لے گئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، واپس آئے تو مزاج ناساز ہوا، یہ بدھ کا دن اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کی باریؔ کا دن تھا، پانچ دن تک اس

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے گھر قیام فرماتے،

بیماری کی حالت میں بھی باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ (کوٹھری) میں تشریف لے جاتے، پیر کے دن بیماری زیادہ بڑھی، تو بیویوں سے اجازت لی، کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں، کمزوری اتنی تھی کہ بے سہارا چل نہیں سکتے تھے، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں بازو تھام کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے،

جب تک آنے جانے کی طاقت رہی، مسجد میں نماز پڑھانے کو تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز آپؐ نے مغرب کی پڑھائی، عشا کا وقت آیا، دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی، لوگوں نے عرض کی، حضورؐ کا انتظار ہے، لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، لیکن جب اُٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر پوچھا، نماز ہو چکی؟ پھر کہا گیا کہ حضورؐ کا انتظار ہے، آپؐ نے پھر غسل فرمایا، اور اُٹھنا چاہا تو بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا گیا، پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کیا، تو پھر غشی طاری ہو گئی، اب جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا، کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی،

وفات کے چار روز پہلے طبیعت میں کچھ سکون ہوا، ظہر کے وقت پانی کی سات مشکوں سے غسل فرما کر حضرت عباسؓ اور حضرت

علیؓ مرتضیٰ کے سہارے سے آپؐ مسجد میں تشریف لائے، جماعت
کھڑی تھی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر انھوں نے
پیچھے ہٹنا چاہا، مگر آپؐ نے روک دیا، اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ
گئے، نماز کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا، جس میں فرمایا، کہ "خدا نے
اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے، کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو
قبول کرے، یا خدا کے پاس جو کچھ ہے، اس کو قبول کرے، لیکن اس نے
خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے
کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے، کہ یہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں، انصار کی وفاداری کا خیال فرماکر ان کی نسبت فرمایا:۔

"عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار اسی طرح کم ہو کر رہ
جائیں گے، جیسے کھانے میں نمک، مسلمانو! وہ اپنا کام کر چکے، اب
تمہیں اپنا کام کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں، میرے
بعد جو اسلام کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے، میں اس کو وصیت
کرتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے"

شرک کا بڑا ذریعہ یہ تھا، کہ لوگ پیغمبروں کی نسبت شرعی حد سے
بھی بڑھ کر عقیدت کا اظہار کرنے لگتے تھے، ان کو شریعت کا حاکم
مطلق سمجھتے تھے، یہ نکتہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیش نظر تھا، فرمایا:-

"حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال
کی ہے جو خدا نے حلال کی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے
حرام کی ہے۔"

اسلام کی تعلیم میں جیسا کہ عمل کے بغیر حسب و نسب کوئی چیز نہیں
یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں بھی نہیں فرمایا

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ!
خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے
یہودیوں اور عیسائیوں نے پیغمبروں اور بزرگوں کے مزاروں
اور یادگاروں کی تعظیم میں جو مبالغہ کیا تھا، وہ بت پرستی کی حد تک
پہنچ گیا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے امت
مسلمانوں کی صورت حال تھی، کہ وہ میرے بعد میری قبر اور یادگاروں
کے ساتھ کہیں یہی نہ کریں، اتفاق سے حضورؐ کی بعض بی بیوں نے
جنہوں نے حبشہ کے سفر میں عیسائی گرجوں کو دیکھا تھا، ان کے مجسموں
اور بتوں کا تذکرہ کیا، آپؐ نے فرمایا" ان لوگوں میں جب کوئی
نیک آدمی مر جاتا ہے، تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں،

اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، ایسا کرنے والے قیامت کے دن بہت بُرے ٹھہریں گے"

عین بےچینی کی حالت میں جب کبھی چادر منھ پر ڈال لیتے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے، آہستہ سے یہ فرمایا:-

"یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت کا گھر بنا لیا ہے"

اسی حالت میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو،

مرض میں زیادتی اور کمی ہوتی رہتی تھی، جس دن وفات ہوئی یعنی پیر کے دن بظاہر طبیعت ہلکی تھی، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپؐ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسکرا دیئے، کہ خدا کی زمین میں آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا، جو رسولؐ کی تعلیم کا نمونہ بن کر خدا کی یاد میں لگا ہے، لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں، خوشی سے لوگ بے قابو ہو چلے تھے، اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں، حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، لیکن آپؐ نے اشارہ سے روکا، اور حجرہ کے

اندر ہو کر پردہ چھوڑ دیا، کمزوری اتنی تھی کہ آپؐ پردہ بھی اچھی طرح نہ چھوڑ سکے، یہ سب سے آخری موقع تھا جس میں عام مسلمانوں نے حضورؐ کو آپؐ کی زندگی میں دیکھا،

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، حضرت فاطمہؓ زہرا، یہ دیکھ کر بولیں "ہائے میرے باپ کی بے چینی!
آپؐ نے سنا تو فرمایا "تمہارا باپؐ آج کے بعد پھر بے چین نہ ہوگا"

سہ پہر تھی، سینہ میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی،
اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے، تو لوگوں نے آپؐ کو یہ کہتے سنا،

"نماز اور غلاموں سے نیک برتاؤ"

اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا، اور تین دفعہ فرمایا،

بل الرفیق الاعلیٰ   اب اور کوئی نہیں، وہی سب سے
بڑھ کر ساتھی (خدا) چاہیے

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں، اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ،

مدینہ کی گلیوں میں جان نثاروں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں، ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی، مسجد نبویؐ میں کہرام مچ گیا،

حضرت عمرؓ نے تلوار نکال لی، کہ جو یہ کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اس کا سر اڑا دوں گا، حضرت ابوبکرؓ آئے اور حضرت عمرؓ کی اس حالت کو دیکھا، تو سمجھ گئے کہ آج کا دھندلکا کل کتنی بڑی گمراہی کا سبب ہوسکتا ہے، انھوں نے سیدھے منبر نبوی کی طرف رخ کیا، اور یہ تقریر فرمائی :-

"لوگو! اگر کوئی محمد کو پوجتا تھا، تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور اگر کوئی محمدؐ کے رب کو پوجتا تھا، تو وہ زندہ ہے، اس کو موت نہیں (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ	اور محمد تو خدا کے رسول ہیں، ان سے
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ	پہلے بہت سے نبی گذر چکے، کیا؟
أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ	اگر مر جائیں یا خدا کی راہ میں مارے
عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ	جائیں تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں
عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ	اسلام سے لوٹ جاؤ گے؟ اور جو
شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ	کوئی لوٹ جائے گا تو وہ خدا کا
الشَّاكِرِينَ ،	کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ اس
	نعمت کی قدر جاننے والوں کو
(آل عمران ۱۵)	جزائے خیر دے گا،

اس آیت کا سننا تھا کہ سارے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت پاک آج ہی اتری ہے، ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی، اور اسی کا چرچا تھا،

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول کے مہینہ دوشنبہ یعنی پیر کے دن سہ پہر کے وقت ہوئی، مشہور روایت یہ ہے کہ یہ بارہ ربیع الاول کی تاریخ تھی، مگر خاص لوگوں کی تحقیق یہ ہے کہ ربیع الاول کی پہلی[لہ] تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا کام منگل (سہ شنبہ) کو شروع ہوا، اور آپؐ کے خاص عزیزوں نے اس کام کو انجام دیا، حضرت فضل بنؓ عباس، حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضورؐ کے آزاد کئے ہوئے غلام حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ نے آپؐ کو نہلایا، حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عائشہؓ کے جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی، وہیں آپ کو دفن کیا گیا، اور اس لئے یہ حجرہ آج کے دن تک روضۂ نبوی کے نام سے موسوم ہے،

لہ یہ پوری تحقیق سیرۃ النبیؐ (مولفہ مولانا شبلی نعمانی جلد دوم) میں میں نے لکھی ہے،

ازواج واولاد (رضی اللہ عنہم)

ازواج | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ اور زمعہ کی لڑکی حضرت سودہؓ سے نکاح کیا، اس کے بعد دوسری بیویاں[1] نکاح میں آئیں جن کے نام یہ ہیں: حضرت زینبؓ ام المساکین، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت[2] جحش، حضرت جویریہؓ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان، حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب حضرت میمونہؓ بنت حارث اور حضرت صفیہؓ، ان میں حضرت زینبؓ ام المساکین کے علاوہ اور سب بیویاں آپؐ کی وفات کے وقت زندہ تھیں، اور آپؐ کے بعد اپنے دینی اور علمی فیض و برکت سے دنیا کو مالا مال کرتی رہیں، آپؐ کی ایک بیوی اور تھیں، جو کنیز تھیں اور مصر سے آئی تھیں، اور ماریہؓ قبطیہ کہلاتی تھیں، یہ سب ساری امت کی مائیں تھیں، اس لئے امہات المؤمنین کہی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا ان کے ساتھ ہو،

---

[1] بیویاں [2] بنت لڑکی کو کہتے ہیں،

دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا، کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز بھی
ہوتی تو جب تک وہ سب خیرات نہ کردی جاتی آپؐ اکثر گھر میں آرام
نہ فرماتے، ایک بار فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ بھیجا، اس
کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی کچھ بچ رہا، آپؐ نے کہا کہ جب تک
کچھ بھی باقی رہے گا، میں گھر میں نہیں جا سکتا، رات مسجد میں بسر کی،
دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غلہ تقسیم ہو چکا ہے، تب گھر تشریف لے گئے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے، آپؐ کے یہاں مسلمان
مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے، آپؐ سب کی خاطر کرتے، اور خود
ہی سب کی خدمت کرتے، کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر
میں جو کچھ موجود رہتا وہ ان کو کھلا پلا دیا جاتا، اور پورا گھر فاقہ کرتا،
ایک دفعہ آپؐ کے یہاں ایک کافر مہمان ہوا، آپؐ نے ایک بکری کا
دودھ اس کو پلایا، وہ سب دودھ پی گیا، آپؐ نے دوسری بکری
منگوائی، یہ اس کا بھی دودھ پی گیا، غرض سات بکریوں تک نوبت
آئی، جب تک اس کا پیٹ نہ بھر گیا، آپؐ دودھ پلاتے رہے، راتوں
کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ ان کو کوئی تکلیف
تو نہیں ہے، گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے،
اپنے پھٹے کپڑے آپؐ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گانٹھ لیتے،

اخلاق و عادات

کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے کہا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے۔ غرض آپؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی، اور یہ بھی آپؐ کا ایک معجزہ ہے، خود قرآن نے اس کی شہادت دی، اور کہا، اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی "بیشک اے محمد! آپؐ حسن اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں"۔

حضورؐ نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحمدل تھے، چھوٹے بڑے سب سے محبت کرتے، نہایت سخی، فیاض اور داد دہش والے تھے امکان بھر سب کی درخواست پوری کرتے، تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" نہیں کہا، خود بھوکے رہتے، اور دوسروں کو کھلاتے، ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، ان کے پاس ولیمہ کا کچھ سامان نہ تھا حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ عائشہ رضؓ کے پاس جاؤ، اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالانکہ اس آٹے کے سوا شام کے لئے گھر میں کچھ بھی نہ تھا، فیاضی اور

اولاد آپؐ کی ساری اولادیں صرف پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ سے ہوئیں، اخیر بیوی حضرت ماریہؓ سے ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے، جو بچپن ہی میں وفات پا گئے، حضرت خدیجہؓ سے تین صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت طاہر اور حضرت طیب ہوئے تھے، انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی، باقی اور چار صاحبزادیاں ہوئیں، اور سب نے اسلام کا زمانہ پایا، سب سے بڑی حضرت زینبؓ جن کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا، انھوں نے ۸ھ میں امامہ نامی ایک بچی چھوڑ کر وفات پائی، منجھلی کا نام حضرت رقیہؓ تھا، جو اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں، اور مدینہ آکر ۲ھ میں انتقال کیا، تیسری صاحبزادی کا نام ام کلثومؓ تھا، حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا، اور ۹ھ میں وفات پائی، چھوٹی صاحبزادی جو حضرتؐ کو سب سے زیادہ پیاری تھیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں، آپ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شادی کی، اور ان سے دو صاحبزادے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے،

بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے، مجمع میں بیٹھتے تو سب
کے برابر ہو کر بیٹھتے، مسجد نبویؐ کے بنانے اور خندق کے کھودنے
میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے بھی کام کئے،

آپؐ یتیموں سے محبت رکھتے، اور ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید
کرتے، فرمایا: مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے، جس میں کسی یتیم بچے
کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہے، اور سب سے خراب گھر وہ ہے، جس میں
کسی یتیم بچے کے ساتھ برائی کی جاتی ہو، آپؐ کی چہیتی بیٹی حضرت
فاطمہؓ جن کی حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں،
اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے،
انہوں نے ایک دن آپؐ سے ایک خادمہ کے لئے عرض کیا، آپؐ
نے جواب دیا، فاطمہ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں،
ایک روایت میں ہے کہ اے فاطمہ! صفہ کے غریبوں کا اب تک
کوئی انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست کیسے قبول کروں،

غریبوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ ایسا ہوتا کہ ان کو اپنی غریبی محسوس
نہ ہوتی، ان کی مدد فرماتے، اور ان کی دلجوئی کرتے، اکثر دعا مانگتے تھے
کہ خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، اور مسکینوں کے ساتھ میرا
حشر کر، ایک بار ایک پورا قبیلہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ لوگ

اتنے غریب تھے کہ ان میں سے کسی کے بدن پر کوئی ٹھیک کپڑا نہ تھا، ننگے بدن، ننگے پاؤں، ان کو دیکھ کر آپؐ پر بہت اثر ہوا، پریشانی میں اندر گئے، باہر تشریف لائے، اس کے بعد سب مسلمانوں کو جمع کر کے ان لوگوں کی امداد کے لئے فرمایا،

آپؐ مظلوموں کی فریاد سنتے، اور انصاف کے ساتھ ان کا حق دلاتے، کمزوروں پر رحم کھاتے، بیکسوں کا سہارا بنتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے، حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے، تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کروں گا، اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے

آپؐ بیماروں کو تسلی دیتے، ان کو دیکھنے جاتے، دوست دشمن اور مومن و کافر کی اس میں کوئی قید نہ تھی، گنہگاروں کو معاف کر دیتے۔ دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے، جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ کرنے والوں تک سے بدلہ نہیں لیا، ایک بار ایک شخص نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہؓ اس کو گرفتار کر کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپؐ نے فرمایا ڈرو نہیں، اگر تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے؛

ہبار بن الاسود جو ایک طرح سے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت

زینبؓ کا قاتل تھا، فتح مکہ کے موقع پر اس نے چاہا کہ ایران بھاگ جائے، لیکن وہ سیدھے حضورؐ کے پاس آیا، اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، لیکن آپؐ کا رحم و کرم یاد آیا، اب میں حاضر ہوں اور میرے جن جرموں کی خبر آپؐ کو ملی ہے وہ درست ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا،

ہمسایوں کی خبر گیری فرماتے، ان کے ہاں تحفے بھیجتے، ان کا حق پورا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے، ایک دن صحابہؓ کا مجمع تھا، آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا، خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا، صحابہؓ نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا ہوا نہ ہو، آپؐ اپنے پڑوسیوں کے گھر جا کر ان کے کام کر آتے، پڑوسیوں کے سوا اور جو بھی آپ سے کسی کام کے لیے کہتا، اس کو پورا فرماتے، مدینہ کی لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ میرا یہ کام ہے، آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے، بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند سب ہی کی ضرورتوں کو آپؐ پورا فرماتے، اور دوسروں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے،

بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کو چومتے اور پیار کرتے تھے، فصل کا نیا میوہ سب سے کم عمر بچہ جو اس وقت موجود ہوتا، اس کو

دیتے، راستہ میں بچے مل جاتے، تو خود ان کو سلام فرماتے، اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل رہی ہیں، لیکن ہمارے حضورؐ نے ان پر بہت احسان فرمایا، ان کے حقوق مقرر فرمائے، اور اپنے برتاؤ سے ظاہر فرما دیا، کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے، بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے۔ آپؐ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا، عورتوں کو آپؐ کی باتیں سننے کا موقع نہ ملتا، اس لئے خود عورتوں کی درخواست پر آپؐ نے ان کے لئے خاص ایک دن مقرر فرما دیا تھا، عورتیں دلیری اور بے تکلفی سے آپؐ سے مسائل پوچھتیں، لیکن آپؐ برا نہ مانتے، ان کی خاطر داری کا خیال رکھتے تھے،

آپؐ ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، اس لئے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور نا اتفاقی کو پسند نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے، وہ بھی آپؐ کو گوارہ نہ تھی، اور ان بے زبانوں پر جو ظلم ہوتا آیا تھا، اس کو روک دیا،

ایک بار ایک صاحب نے ایک پرندہ کا انڈا اٹھا لیا، چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی، آپؐ نے پوچھا کہ کس نے اس کا انڈا لیا ہے اور اس کو دکھ پہنچایا ہے، ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا وہیں رکھ دو،

آپؐ کی نظر میں امیر غریب سب برابر تھے، قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی، لوگوں نے حضرت اسامہؓ جن کو آپؐ بہت چاہتے تھے، ان سے سفارش کرائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا، کہ تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے برباد ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا، تو اس کو چھوڑ دیتے، اور معمولی آدمی جرم کرتا وہ سزا پاتا، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹے جاتے،

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا | مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا | وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوٰی
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگذر کرنے والا | بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد[1] کا زیر و زبر کرنے والا | قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا[2] ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا | کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں[3] سے تھا جہل چھایا | پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

---

[1] برائیاں [2] یعنی قرآن پاک [3] صدیوں

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

حضرت انسؓ کہتے ہیں، کہ میں نے دس برس آپؐ کی خدمت میں گذارے، مگر آپؐ نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور یہ کیوں نہ کیا، آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا، اور یہ کیا عجیب بات ہے، کہ ایک فوج کا جرنیل جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گذارے اور جس نے کبھی لڑائی کے میدان سے منہ نہیں موڑا، اس نے اپنے دشمن پر بھی کبھی تلوار نہیں اٹھائی، اور نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا، اُحد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپؐ پر پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی، آپؐ اپنی جگہ پر کھڑے تھے، اور جان نثار داہنے بائیں کٹ کٹ کر گر رہے تھے،

اسی طرح حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔

صحابہؓ کہتے ہیں:۔ لڑائی کے اکثر معرکوں میں آپؐ وہاں ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑا ہوتا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے، مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے، اُحد کے دن جب مشرکوں کے حملہ میں سر مبارک زخمی اور دندان مبارک

شہید ہوا، یہ فرماتے تھے، خداوندا! انھیں معاف کر کہ یہ نہیں جانتے ہیں۔

سالہا سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپؐ کے دل میں راہ نہ پائی، اور آخر وہ دن آیا جب آپؐ اکیلے سارے عرب پر چھا گئے، مکہ کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابیؓ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ہم لوگوں کے لئے کیوں دعا نہیں فرماتے، یہ سن کر آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا، اور فرمایا کہ "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ان کو آروں سے چیرا گیا، ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں، جس سے گوشت پوست سب کٹ کٹ جاتا، لیکن یہ تکلیفیں بھی ان کو حق سے پھیر نہ سکیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے کمال کے مرتبہ پر پہنچ کر رہے گا، یہاں تک کہ صنعا (یمن) سے حضرموت ایک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا"

آپؐ کا وہ عزم اور استقلال یاد ہوگا، جب آپؐ نے اپنے چچا کو یہ جواب دیا تھا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا"

ایک بار دوپہر کو ایک لڑائی میں آپؐ ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرما رہے تھے، ایک عرب آیا، اور تلوار کھینچ کر بولا،

بتا اے محمد! اب تجھ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" اطمینان اور تسلی سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا، "اللہ" وہ یہ جواب سن کر کانپ گیا، اور تلوار نیام میں کر لی،

لڑائیوں کے مال غنیمت اور خیبر وغیرہ کی زمینوں کی پیداوار کا حال سن کر کسی کو یہ شبہہ نہ ہوا، کہ اب اسلام کی غربت کا زمانہ ختم ہو گیا اور پیغمبر اسلام علیہ السلام بڑے آرام اور تزک واحتشام سے زندگی بسر کرنے لگے، ازواج مطہرات رض اور اہلبیت رض کرام کے گھروں میں جو کچھ آتا وہ دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کے نذر ہو جاتا تھا، اور خود آپ ص کی اور آپ ص کے اہل بیت رض کی زندگیاں اسی تنگی اور غربت سے بسر ہوتی تھیں، خود فرمایا کرتے تھے کہ آدم کے بیٹے کے لئے ستر چھپانے کو ایک کپڑا، اور پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی کافی ہے" اور اسی پر آپ ص کا عمل تھا، حضرت عائشہ رض کہتی ہیں، کہ آپ ص کا کپڑا کبھی تہ کر کے رکھا نہیں جاتا تھا، یعنی ایک ہی جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں، جو تہ کر کے رکھا جاتا،

حضرت ص کے گھروں میں اکثر فاقہ رہتا تھا، اور کئی کئی دنوں تک رات کو کھانا نہیں ملتا تھا، دو دو مہینوں تک لگاتار گھروں میں چولھا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی، چند کھجوروں پر گذارا ہوتا تھا، کبھی

کوئی پڑوسی بکری کا دودھ بھیج دیتا تو وہی پی لیتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے (مدینہ کے زمانۂ قیام میں) کبھی دو وقت سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا،

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک بھوکا آپؐ کی خدمت میں آیا، آپؐ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا، جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپؐ نے دوسرے گھر میں آدمی بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، غرض آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی،

ایک دن آپؐ بھوک میں ٹھیک دوپہر کو گھر سے نکلے، راستہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے، یہ دونوں بھی بھوکے تھے، آپؐ اُن کو لے کر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر آئے، ان کو خبر ہوئی تو دوڑے آئے، اور باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور سامنے رکھ دیا، اس کے بعد ایک بکری ذبح کی، اور کھانا تیار کیا، اور سامنے لاکر رکھا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا، کہ یہ فاطمہ کے یہاں بھجواؤ، اس کو کئی دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے تو حالت یہ تھی کہ آپؐ کی زرہ تین سیر جو پر ایک یہودی کے پاس گرو تھی، جن کپڑوں میں وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے،

حضرت فاطمہؓ زہرا سے آپؐ کو بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت سونے چاندی کے زیوروں اور اینٹ چونے کے مکانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی، بی بی فاطمہؓ اپنے ہاتھوں سے کام کرتیں۔ مشک بھر کر پانی لاتیں، آٹا گوندھتیں، اور اگر کبھی باپؐ سے کسی غلام یا لونڈی کی فرمائش کرتیں تو فرماتے کہ بیٹی یہ تسبیح پڑھ لیا کرو، ایک دفعہ جب بہت سی لونڈیاں اور غلام آئے، تو آپؐ کی خدمت میں جا کر عرض کی، فرمایا جان پدر! بدر کے یتیم اور صفہ کے مسافر تم سے زیادہ مستحق ہیں

افلاس سے تھا سیدہؓ پاک کا یہ حال | گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں | چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار | گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے | جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولؐ خدا کے پاس | یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ، تو کچھ کر سکیں نہ عرض | واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے | کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں | حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن | جن کا کہ صفہ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز | ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں | میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا

جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا ۔۔۔ بچہ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے اُن کا حق
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا ۔۔۔ خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں

یوں کی ہے اہلِ بیتِ مطہرؓ نے زندگی

یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

آپؐ کبھی کسی کا احسان لینا گوارا نہ فرماتے، حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے وقت سواری کے لئے اونٹ پیش کیا، تو آپ نے اس کی قیمت ادا فرما دی، جن لوگوں سے تحفہ قبول فرماتے تھے، ان کو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے ہدیہ میں ایک اونٹنی پیش کی، آپؐ نے اس کا بدلہ دیا، تو اس کو برا معلوم ہوا، آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو، اور میں امکان بھر اس کا بدلہ دیتا ہوں تو ناراض ہو جاتے ہو۔

آپؐ لین دین کے معاملات میں بہت صاف تھے، فرمایا کرتے کہ سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کو اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں، ایک دفعہ کسی سے آپؐ نے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا، ایک بار کسی سے ایک پیالہ عاریت لیا، اتفاق سے وہ گم ہو گیا، تو آپ نے اس کا تاوان ادا فرمایا،

جو وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے، کبھی بد عہدی نہیں فرمائی صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکے سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ مکہ والوں کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا، چنانچہ ایک صاحب ابو جندلؓ مکہ

سے بھاگ کر آئے اور فریاد کی، سب مسلمان یہ دیکھ کر تڑپ گئے، لیکن آپؐ نے صاف فرما دیا، کہ اے ابو جندل صبر کرو میں بد عہدی نہیں کروں گا، اللہ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا!

سچائی آپؐ کی ایک ایسی صفت تھی، کہ دشمن بھی اس کو مانتے تھے، ابوجہل کہا کرتا تھا کہ محمدؐ میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اسکو صحیح نہیں سمجھتا،

آپؐ شرمیلے بہت تھے، کبھی کسی کے ساتھ بد زبانی نہیں کی، بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ سے زبان سے کچھ نہ کہتے، لیکن چہرہ سے معلوم ہو جاتا، آپ کی طبیعت میں بہت استقلال تھا، جس چیز کا پکا ارادہ ہو جاتا پھر اس کو پورا ہی فرماتے غزوۂ احد میں صحابہ سے مشورہ کیا، سب نے حملہ کی رائے دی، لیکن جب آپؐ زرہ پہن کر تشریف لائے تو رک جانے کا مشورہ دیا گیا، آپؐ نے فرمایا، پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا،

آپؐ کی بہادری بھی بے مثال تھی، ایک بار مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے، لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، لیکن سب سے پہلے حضورؐ نکل پڑے، اور گھوڑے پر زین کے بغیر گشت لگا آئے، اور واپس آکر لوگوں کو تسکین دی، کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے،

مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی، کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا، جو سامنے آ جاتا، وہ کھا لیتے، پہننے

کے لئے موٹا جھوٹا جو مل جاتا ، اس کو پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اُٹھانے کی اجازت آپؐ نے ضرور دی، لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لئے پسند فرمایا، نہ عام مسلمانوں کے لئے، ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ گھر میں چھت گیری لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی، اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لئے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں، ایک بار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو برا نہ معلوم ہوگا، جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے،

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپؐ کو خشک مزاجی اور روکھا پن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دلچسپی کی باتیں فرماتے، ایک بار ایک بڑھیا آپؐ کے پاس آئی اور جنت کے لئے دعا کی خواہش کی، آپؐ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی، اس کو بہت رنج ہوا روتی ہوئی واپس چلی، آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی، مگر جوان ہو کر جائیں گی، بعض لوگ رات دن نماز روزہ میں مشغول رہنا چاہتے تھے، اس کی وجہ سے بیوی بچوں نیز اپنے جسم کے حق کو پورا نہ ہونے کا اندیشہ تھا، اس لیے حضورؐ اس کو روکتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق خبر ہوئی کہ انھوں نے ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے اور رات بھر

عبادت کرنے کا عہد کیا ہے، آپؐ نے ان کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! فرمایا کہ تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے،

آپؐ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے داہنے یا بائیں کھڑے ہوتے، اور اس سے اجازت مانگتے، سامنے اس لئے نہ کھڑے ہوتے کہ نظر گھر کے اندر نہ پڑے گی۔

صفائی کا خاص خیال رہتا، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے، گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے کہ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا، کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی، اس کو ٹال دیتے، زیادہ تر چپ رہتے، بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے،

آپؐ ہر گھڑی اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت اسی کی خوشی کی تلاش رہتی، اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی، صحابہؓ کی محفلوں میں یا دوستوں کے گھروں میں ہوتے اور یکایک اذان کی آواز آتی، آپؐ اٹھ کھڑے ہوتے، رات کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر ہوتا، کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے، اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے، آپؐ اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے پیغمبر تھے، پھر بھی فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے

اوپر کیا گذرے گی؟ ایک مرتبہ بڑے پُر اثر الفاظ میں فرمایا، اے قریشیو! آپ اپنی خبر لو، میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عبد مناف! میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ رسولِ خدا کی پھوپھی! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا،

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ایک بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا تو آپؐ نماز پڑھ رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، رو رہے تھے اور رقت کی وجہ سے سینے سے ایسی آواز آتی تھی کہ چکی چل رہی ہے، یا ہانڈی ابل رہی ہے، ایک بار آپؐ ایک جنازہ میں تشریف لے گئے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے یہاں تک کہ زمین تر ہو گئی، پھر فرمایا، بھائیو! اس دن کے لئے قبر کا سامان کر رکھو،

ان باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات اور آپؐ کے اچھے اخلاق اور عادات کو پڑھ کر سیکھیے، اب ان کی کوشش ہونا چاہیے کہ حضورؐ کی زندگی کی ہم پیروی اور آپؐ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں کہ خدا کی خوشی حاصل کرنے کا یہی ذریعہ ہے، اور دین و دنیا کی بادشاہت کی صرف یہی ایک کنجی ہے،

اعلان

ممالک محروسہ سرکار عالی میں کتاب
رحمت عالم کی اشاعت وغیرہ کے جملہ حقوق
مولانا مولوی سید سلیمان صاحب مؤلف کتاب نے صرف
کمپنی ہذا کو دئیے ہیں ؛

چنانچہ یہ کتاب بذریعہ نشان ۱۶ م ۲۱ / آبان ۱۳۵۲ ف
دفتر معتمدی کوتوالی و امور عامہ میں رجسٹری ہو چکی ہے
نیز محکمہ تعلیمات سرکار عالی و جامعہ نظامیہ نے جماعتہائے
فوقانیہ وفنی میں صرف اس ہی کتاب کے استعمال
کی اجازت دی ہے

لہٰذا کوئی صاحب کل یا کسی جزو کو طبع
کرنے کا قصد نہ فرمائیں جس قدر کتب
مطلوب ہوں ذیل کے پتہ سے
طلب فرما سکتے ہیں ؛

ناشران
رضوی اینڈ کمپنی تاجران کتب نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن